بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ـــــ ۳۲

شمارہ ـــــ ۹

محرم و صفر ۱۴۱۸ھ ہجری

جون ـــــ ۱۹۹۷ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک
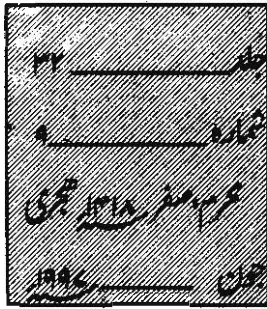
مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع

ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز (تحریک طالبان فتح کی دہلیز پر) ـــــ حافظ راشد الحق سمیع ـــــ ۲

(وفیات) آہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی و مولانا محمد عمر پالنپوریؒ

تقریب فتح افغانستان ـــــ مولانا سید یوسف شاہ ـــــ ۵

طالبان کا افغانستان ـــــ عرفان صدیقی ـــــ ۱۷

شہیدوں کے خون سے منور سرزمین افغانستان میں چار دن ـــــ مولانا حافظ انوار الحق ـــــ ۲۱

فتح کابل افغانستان (نظم) ـــــ حافظ محمد ابراہیم فانی ـــــ ۲۸

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا سانحہ ارتحال ـــــ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ـــــ ۲۹

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ حیات و خدمات ـــــ حافظ نثار احمد الحسینی ـــــ ۳۷

چینی طلباء کی داستان غم (ایک دردناک رپورٹ) ـــــ مولانا عطاء اللہ ـــــ ۴۷

ذوق پرواز (سفر نامہ یورپ) قسط نمبر ۸ ـــــ حافظ راشد الحق سمیع ـــــ ۵۱

دار العلوم کے شب و روز ـــــ شفیق فاروقی ـــــ ۶۸

تبصرہ کتب تحدیث نعمت (سوانح عمری) ـــــ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (ادارہ) ۷۱

کمپیوٹر کمپوزیٹر:۔ سجاد خان

(0523) ...

سالانہ بدل اشتراک ... فی پرچہ ۱۵/ روپے سالانہ ۱۵۰/ روپے ...

... سمیع الحق ... دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ...

نقش آغاز

تحریک طالبان فتح کی دہلیز پر

الحمدللہ قندھار کے ریگزاروں اور احمد شاہ ابدالیؒ کے دیس سے جو کاروان دعوت وعزیمت امن وآشتی اور نفاذ نظام اسلام کے داعیوں کا چلا تھا، بالآخر تمام رکاوٹوں اور گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا مزار شریف کے دروازے پر نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ پہنچ گیا۔ ایک طویل اور تھکا دینے والے انتظار کے بعد فرح وانبساط کی وہ گھڑی آ پہنچی، اور افغانستان کے شمالی علاقہ جات بھی طالبان کے زیر نگین آہی گئے۔ اگر چہ اس دوران کئی نشیب وفراز درپیش آئے ہیں اور صلح ومذاکرات کی آڑمیں تحریک طالبان کے اہم رہنما اور روح رواں مولانا احسان اللہ احسان افغان وزیر خارجہ ملا محمد غوث اور شمالی علاقہ جات کے گورنر مولانا عبدالرزاق اور دارالعلوم حقانیہ کے اسی (۸۰) افغانی طلباء بھی گہری سازش کے نتیجہ میں گرفتار ہیں۔ لیکن انشاء اللہ یہ تمام امتحانات اور صعوبتیں راہ حق کے متوالوں کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

یہاں پر یہ امر قابل تعجب ہے۔ کہ " اسلامی انقلاب کا داعی" اور " علمبردار" اور اپنے آپکو امریکہ کا بڑا "دشمن" قرار دینے والا ایران بھی طالبان دشمنی میں امریکہ کا ہم زبان وہم آواز ہے۔ فیا للعجب۔ اور پھر اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پاکستان میں "اسلامی نظام" کی نفاذ کی" دعویدار" "جماعت" اس عظیم اسلامی حکومت کے قیام پر پریشاں اور چیں بجبیں ہے۔ اگرچہ اخبارات میں" وقتی مصلحت" اور" بدلتے موسم" کا ساتھ دیتے ہوئے اسکی جانب سے" شرماتے شرماتے" چند سطریں طالبان کی تائید میں آئی ہیں، لیکن کیا وجہ ہے ؟ کہ اس جماعت کا وہ روایتی جوش و جذبہ نعرہ بازی اور" فتوحات" پر جشنوں کے منانے کا سلسلہ نظر نہیں آتا ...... اور دوسری طرف افغانستان میں اس" جماعت" کے حلیف وہم مسلک اور ہم مشرب حزب اسلامی کمیونسٹ جنرل فوزی اور اپنے ازلی دشمن احمد شاہ مسعود وربانی کے ساتھ آخری دم تک اس لشکرِ محمدی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کیلئے آپس میں " تجدید عہد وپیمان" کررہے ہیں۔ اور اسی طرح پاکستان کے" مشہور اخبار" جمعیت العلماء اسلام کے اکابرین کی تحریک طالبان کے ساتھ وابستگی ظاہر کرنے پر اپنے اداریوں میں سیخ پا نظر آتا ہے۔ اس کے جواب میں ہم اتنا عرض کرینگے کہ آپ کی مسلم لیگ جماعت تو پچاس سال میں پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہ کرسکی۔ اگر پاکستان کے دینی

مدارس میں پڑھنے والے معصوم طلباء نے آج دنیا کی سپرطاقتوں کی مخالفت کے باوجود ایک اسلامی حکومت قائم کرلی ۔ تو اس پر یہ مروڑ کیوں ؟ آخر میں ہم جنرل حمید گل صاحب اور اعجاز الحق صاحب کیطرف سے یہاں دارالعلوم حقانیہ آکر طالبان کی حمایت کرنے پرمبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اور حکومت پاکستان کا طالبان کے حکومت کو تسلیم کرنے میں " تاخیر" بلکہ نہ "چاہنے" کے باوجود بھی بالآخر طالبان کی حکومت کو سب سے پہلے تسلیم کرنے پر ہم اس اقدام کو سراہتے ہیں ۔ اور اس کے ساتھ سعودی عرب اور متحدہ امارات کی جانب سے طالبان حکومت کو تسلیم کرنے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ باقی عالم اسلام کو بھی اسکو تسلیم کرنے کی توفیق عطاء فرمائے ۔

گذشتہ دوماہ سے عالم اسلام کا نشیمن ، برق حوادث و آفات کی زد میں ہے ۔ ابھی منیٰ کے جاں سوز واقعہ فاجعہ کے غم کی تپش سرد نہیں ہوئی تھی ، جس میں کہ ہزاروں کی تعداد میں حجاج کرام بے سروسامانی کی حالت میں صرف احرام کی دوسفید چادروں میں شعلوں کی زد میں آکرجاں بحق ہوگئے تھے ۔ اس دل گدازجاں سوز اور جگرخراش واقعہ پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے ۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس حادثے کے پس منظر میں کئی وجوہات اور اسباب وعلل کارفرماہیں ۔ مثلاً حجاج کرام کی بے پروائی اور غفلت اورباوجود منع کرنے کے گیس سلینڈر لیجانا بھی ایک بڑاسبب ہے ۔ اور اسکے ساتھ چند "اشرار" کی " ریشہ دوانیوں" کوبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ۔ اور ہر چند کہ سعودی حکام حجاج کی ہرممکن خدمت میں پیش پیش رہتے ہیں ۔ لیکن اس موقع پر وہ انتظامات نہیں کئے گئے اور وہ تدابیر اختیار نہیں کی گئی تھیں جو لازمی تھیں ۔ اور انتہائی افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ حرمین شریفین اور حجاز ،منیٰ میں بھی مغربی تہذیب وتمدن بذریعہ ڈش انٹینا اور ٹی وی کی وساطت سے اپنے برگ وبار پھیلا چکی ہے۔ کیا عجب کہ یہ قدرت کیطرف سے ہمارے لئے ایک تازیانہ عبرت ہو ۔اسکے بعد زلزلوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جس میں بہت زیادہ افراد لقمہ اجل بن گئے ۔

اورابھی اسکے جھٹکوں سے سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ ہندوستان سے یہ جگر پاش خبرآئی کہ فخر العلماء بقیۃ السلف ادیب بے بدل محدث کبیر مناظر اسلام اور ماہنامہ " الفرقان" کے مدیر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس اللہ سرہ العزیز جوکہ " قافلہ عشاق" کے آخری سپہ سالاروں میں تھے ۔وہ بھی داغ مفارقت دے گئے ۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں   کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

مولانا نعمانیؒ مرحوم کیا تھے ؟ آپکی شخصیت تو وہ گوہرتابدار تھی جو کسی تعارف وتعریف کی محتاج نہیں ۔ آپ نے اپنی ساری زندگی خدمت دین متین کیلئے وقف کی تھی ۔ اور عمر بھر مختلف محاذوں پر مصروف کار رہے ۔ آپ کا شہرہ آفاق ماہنامہ " الفرقان" آپ کی فکری ، علمی اور قلمی کاوشوں کی جولانگاہ رہا ، اور ساتھ ہی ساتھ ترویج سنت واحادیث، تبلیغ اسلام ، علوم قرآنیہ کی تشہیر اور اصلاح امت کی ہر تحریک اور ہر کوشش میں پیش پیش رہے ۔ اورآپ نے اپنے وقت میں اکابرین دیوبند پر لگائے گئے الزامات واتہامات کاکامیاب دفاع کیا تھا ۔ آپ کئی اعلیٰ کتابوں کے مصنف تھے ۔ خصوصاً احادیث رسولﷺ کا ایسا عام فہم ذخیرہ عام اردودان طبقہ کے لئے پیش کیا ، یعنی سات جلدوں میں معارف الحدیث جس کی نظیر نہیں ملتی ۔ پھر آخری وقت میں آپ نے انقلاب ایران پر " معرکۃ الآراء" کتاب لکھ کر اس "انقلاب" اور اس انقلاب کے بانی" خمینی" کی حقیقت عالم اسلام پر واضح کردی ۔ حضرت مرحوم کی شخصیت ہم جیسے تہی دامنوں کیلئے ایک درس عبرت اور مشعل راہ ہے ۔ پھر اسی ماہ محرم میں ایک اور جلیل القدر ہستی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کے محب صمیم اور دارالعلوم حقانیہ کے انتہائی مخلص جناب حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نوراللہ مرقدہ ہم سے جدا ہوگئے ۔ حضرت قاضی صاحبؒ کا دارالعلوم اور بالخصوص داداجان حضرت قائد شریعت شیخ الحدیث بانی ومؤسس دارالعلوم حقانیہ مولانا عبدالحق صاحبؒ کے ساتھ جو انس وتعلق رہا والد گرامی سے جو شفقت تھی وہ بیان سے باہر ہے ۔ آخری وقت تک دارالعلوم حضرت والد صاحب اور الحق کے ساتھ ان کا تعلق قائم رہا ـــــ ۔

امت مسلمہ کی یہ بدنصیبی ہے کہ اس کی کشتی ایسے ناگفتہ بہ حالات کے گرداب میں پھنس گئی ہے کہ اسکے نکالنے والے" ناخدا" بھی ایک ایک کرکے" بحرفنا میں گم ہوتے جارہے ہیں"۔ آج کے اس دورظلمات میں آخر کس کو مشعل راہ قرار دیا جائے ۔ آہ اس دور وحشت کے تپتے ہوئے صحرا میں کوئی سائباں تو ہوتا جس کے سایہ عافیت کے نیچے امت پناہ لیتی ۔ آسمان علم وعرفان کے یہ آفتاب وماہتاب ایک ایک کرکے غروب ہوتے چلے جارہے ہیں ۔ اس طرح سے اکابر امت کا اس دنیا سے اٹھ جانا پورے عالم انسانیت کے لئے ایک عظیم المیہ ہے اور گویا اب یہ عالم دوریتیمی سے گزر رہا ہے ۔ اور یوں یوں عالم سونا ہوتا جارہا ہے ۔ آج ان قدسی صفات ہستیوں کی تلاش میں آخر کس سمیت میں چراغ رُخ زیبا لیکر چلا جائے ۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لیکر	اب انہیں ڈھونڈ چراغ رُخ زیبا لیکر

راشدالحق سمیع یکم جون ۱۹۹۷ء

مرتب مولانا سید یوسف شاہ حقانی

فتح طالبان دارالعلوم حقانیہ میں تقریب تشکر
مولانا سمیع الحق، جنرل حمید گل اور اعجاز الحق کی تقاریر

مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۹۷ء کو دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث (ایوان شریعت) میں فتح افغانستان کے حوالے سے فوری طور پر بغیر کسی تیاری کے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے "یوم تشکر" کے طور پر ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ جس میں افغان جہاد کے ہیرو جناب (ر) جنرل حمید گل صاحب، پاکستان مسلم لیگ کے نائب صدر جناب اعجاز الحق صاحب (ایم۔ این۔ اے) اور حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب نے خطاب کیا۔ روداد تقریب نذر قائین ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ، میرے انتہائی واجب الاحترام معزز مہمانان گرامی مجاہد افغانستان جنرل حمید گل صاحب اور شہید افغانستان شہید اسلام جنرل ضیاء الحق کے فرزند رشید جناب اعجاز الحق صاحب، جناب عرفان صدیق اور میرے معزز صحافی ساتھیوں، اساتذہ کرام اور عزیز طالب علم بھائیو! یہ کوئی باضابطہ پروگرام نہیں تھا، اچانک اس مجلس کا انعقاد ہوا ہے۔ کل ظہر کے بعد جو انعام اللہ نے فرمایا وہ افغانستان کا ایک اہم اور حساس علاقہ شمالی افغانستان کا مرکز مزار شریف اور دیگر علاقے مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ اور اس ساری جہاد کی دوران جو انتہائی شرمناک خبیث ترین کردار کمیونسٹوں کا پروردہ رشید دوستم تھا جس کا نام تاریخ میں شرم سے لکھا جائے گا۔ جنرل رشید دوستم کو اللہ نے خائب وخاسر کرکے ملک سے نکال دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ۱۴، ۱۵ سال سے جو طویل جہاد اور جدوجہد شروع ہے۔ کل اسکا انتہائی عظیم الشان حسن خاتمہ ہوا۔ کمیونسٹوں کے عزائم خاک میں مل گئے۔ اور جو جہاد ابتک انتہائی خطرات میں تھا۔ اس ساری جنگ اور تحریک طالبان کو بھی لوگ خدشات کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ کہ پتہ نہیں اس کا کیا انجام ہوگا اور خیال تھا کہ شاید یہ دشمنوں کی سازش ہے کہ افغانستان علاقائی یا لسانی بنیادوں پر تقسیم ہوجائے ہمیں بھی آخر تک خطرہ تھا کہ یا اللہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ دشمن ہمارے اندر اختلافات پیدا کرے اور کہیں فارسی پشتو کے مسئلہ نہ اٹھائیں۔ تاجکستان اور یہ علاقے فارسی گو ہیں۔ یہ سارے خطرات آخر تک تھے۔ کچھ لوگوں نے اسے اچھالا بھی کہ طالبان تنظیم صرف پٹھانوں کی نمائندہ ہے۔ طالبان چیخ چیخ

کرکہہ رہے تھے کہ بھائی ہمارا کسی گروہ سے کسی لسانی علاقے سے تعلق نہیں ہے ۔ مگر ہمیں تو پتہ تھا کہ طالبان کی تحریک میں پشتو بولنے والوں سے زیادہ ازبک زبان تاجک زبان فارسی بولنے والے تھے ۔ لیکن دشمن چاہتا تھا کہ افغانستان تقسیم ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے کل کی فتح کے بعد وہ سارے منصوبے ، ساری سازشیں اور سارے عزائم بھی ناکام کردیے ۔ الحمدللہ اب افغانستان ایک مٹھی ہے اور جسد واحد بن کر اسلام کے لئے مضبوط قلعہ انشاء اللہ ثابت ہوگا ۔ یہ اتنی بڑی خوشی کا موقع ہے کہ آج پورے عالم اسلام کو جشن منانا چاہیئے تھا ۔ کہ اس عظیم الشان جہاد کو جو تباہی کے دانے پر پہنچ گیا تھا ، اس کو اللہ نے پھر بچادیا ۔ اسکے نتائج اللہ تعالیٰ نے پھر ظاہر کردیئے ۔ پورے عالم اسلام کو یوم تشکر منانا چاہیئے ۔ یہ حقیقت میں روس کا سقوط ہے اور وہ سازشوں کی وجہ سے خطرات میں تھا ۔ اللہ نے کل اسکو تکمیل تک پہنچادیا ۔ آج طالبان کی یہ فتح مجاہدین کی جتنے بھی گروہ تھے ان سب کی فتح ہے ۔ جن لیڈروں نے چودہ پندرہ سال جدوجہد کی تھی اور بدقسمتی سے آپس کے اختلافات کی وجہ سے فسادات میں لگ گئے آج میں انکو بھی کہتا ہوں کہ انھیں سوچنا ہے کہ ان طالبان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان سب کی وہ تمام اور عظیم قربانیاں بچالیں ۔ یہ ربانی حکمت یار یا مجددی گیلانی اور مسعود احمد شاہ اور محمد نبی ، محمدی مولانا یونس خالص استاذ سیاف اور جلال الدین حقانی گویا سب کے خوش ہونے کا موقع ہے ۔ کہ جو کام ان سے نہیں ہوسکا ۔ اللہ نے ان کے بچوں سے جومدرسوں کے طالب علم تھے ، جنہیں طالبان کہا جاتا ہے ۔ یورپ اور دیگر ممالک سے اکثر صحافی ہمارے ہاں آتے رہتے ہیں ۔ گذشتہ پانچ مہینوں سے دارالعلوم حقانیہ میں انہوں نے کئی انٹرویو ریکارڈ کیے اور دارالعلوم کی ایک ایک اینٹ کی فلم ان لوگوں نے بنائی ہے ۔ ان لوگوں نے تو یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ طالبان کوئی غیر انسانی مخلوق ہیں ۔ کوئی جنگلی گروہ ہے ۔ خود مجھ سے بہت سے یورپین صحافیوں نے پوچھا کہ ان کا ماں باپ بھی ہوتا ہے ۔ ان کی فیملی اور خاندان بھی ہوتا ہے ۔ یہاں ان کا تو نام بھی عبدالرحمان وغیرہ ہے ۔ انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ اچھا ان نام بھی ہیں ہوتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں تو یورپ میں مشہور ہے کہ یہ جنگل سے آجاتے ہیں حملہ کرتے ہیں ۔ نہ ان کا گھر ہوتا ہے نہ ان کی فیملی ہوتی ہے ، اور یہاں جو عبداللہ اور عبدالرحمٰن جو انہوں نے سنا تو حیرت میں رہ گئے کہ ان کا نام بھی ہے ۔ ظالموں نے کتنا غلیظ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے ۔ کہ طالبان کے لفظ کو گالی بنا دیا ہے ۔ میں نے کہا ظالموں یہ سٹوڈنٹ ہیں ۔ ہم پشتو میں جمع کے لئے طالبان کہتے ہیں ۔ جیسے ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالبعلم ہے ۔ دارالعلوموں کے طلباء اور سٹوڈنٹ ہے ۔ اور جب ملک بالکل کسی تباہی کے دہانے پر پہنچتا تھے

نو نوجوان اٹھتے ہیں ۔ انقلاب فرانس ہو یا جو بھی ہو بڑے انقلاب آئے ان کو اللہ تعالیٰ نے سٹوڈنٹ کے ذریعے بنایا ہے ، تو جب یہ پیمانہ لبریز ہوگیا ۔ مصلحت کی ہر طرح کوشش تباہی کا ذریعہ بن گئی ۔ نہ اللہ کو دیکھا نہ رسولؐ اللہ کو دیکھا ، امام کعبہ کو ہم افغانستان باربار لے گئے ۔ یہ لوگ مہینوں وہاں کیمپوں میں رہے ۔ جنرل حمید گل صاحب ، جنرل ضیاء الحق مرحوم کے صاحبزادے علماء اور ہم سب نے کوشش کیں کہ خدا کیلئے اکھٹے ہوجاؤ ۔ جہاد کو تباہی سے بچاؤ ۔ طالبان نے کہا ہم اپنی تعلیم مکمل کریں گے تم اکھٹے ہوکر حکومت سنبھالو ۔ طالبان آسمان سے نہیں آئے ۔ جہادی تنظیموں کے لیڈروں نے جہاد نہیں کیا تھا وہ تو کمانڈ کررہے تھے ۔ جہاد میں یہی بچے تھے ۔ مدرسوں میں چودہ سال پڑھتے بھی تھے اور جہاد بھی کرتے تھے ، لوگ شور مچاتے ہیں کہ یہ ٹینک کیسے چلاتے ہیں ۔ ارے ظالموں چودہ سال میں انہوں نے سب کچھ کیا ہے ۔ تین مہینے جہاد میں تین مہینے مدرسوں میں علم حاصل کرنے آئے تھے ۔ اصحاب صفہ کے طرح تعلیم بھی حاصل کرتے اور جہاد کے لئے بھی جایا کرتے تھے ۔ اور یہ طالبان کا فرض تھا کہ جہاد کو بچالیں ۔ جہاد ان کے بغیر نہیں بچ سکتا تھا ۔ ان کو لالچ نہیں تھی ۔ ان کو ہوس نہیں تھا ۔ ان کی کوئی پلاننگ نہیں تھی کہ کرسی تک پہنچنے کی ۔ یہ سہولت پسند اور عیاش نہیں تھے ۔ جب پیمانہ صبر لبریز ہوگیا تو اٹھ کھڑے ہوئے ظالم کے خلاف اور اللہ تعالیٰ نے افغانستان کو اور جہاد کو بچالیا ۔ پورا عالم ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے ۔ ایک قیامت ہے طالبان کے خلاف کہ یہ وحشی ہیں ، غیر مہذب ہیں ۔ اور عورتوں کو مارتے ہیں ۔ داڑھیاں نوچتے ہیں ۔ یہ سارا پروپیگنڈہ اور طوفان اب ختم ہوا ۔ انشاء اللہ یہ دنیا ڈھنڈے کی ہے ، ڈھنڈے کے زور سے اقوام متحدہ اور امریکہ بھی خود پینترے بدلے گا ۔ میں نے جمعہ کے دن تقریر میں کہا تھا آپ لوگوں کو یاد ہوگا اور پاکستان کو میں نے وارننگ دی تھی ۔ کہ منافقت اور کمینگی سے باز آجاؤ ۔ یہ وسیع البنیاد حکومت کا گانا چھوڑ دے ۔ امریکہ کو خوش کرنے کیلئے اور میں نے کہا کہ اگر پاکستان اسے تسلیم نہیں کرتا ان طالبان کو ۔ خدا کی قسم میں نے کہا تھا کہ دودن بعد ذلیل ہوکر پاکستان کو اسے تسلیم کرنا ہوگا ۔ کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا ؟ اور اللہ تعالیٰ نے دودن پورے نہیں کیئے تھے کہ مزار شریف فتح ہوگیا ۔ آج چاہے یا نہ چاہے پاکستان اپنی دم ہلائے گا ۔ وہ بدقسمت ہے اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے اسکو اتنا بڑا انعام عطاء فرمایا کہ اسکو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت دی ، فوج دی ، ایک دفاعی لائن دے دی ، ایک فولادی طاقت دے دی ۔ کہ بھارت کے مقابلہ میں اب پاکستان اکیلا نہیں ہے ۔ اور تمام وسط ایشیاء کی تجارت آج افغانستان کے ہاتھ میں طالبان کی وجہ سے ہے ۔ تمام وسائل ، پائپ لائن اور گیس سب ان کے ذریعے پاکستان کو فائدہ پہنچے گا ۔ ہمارے حکمرانوں کو شرم آنی چاہیئے کہ پانچ رکنی ممالک میں آپ نے تو بھگوڑوں کو بٹادیا ۔ پاکستان نے آواز نہیں اٹھائی کہ

افغانستان سے طالبان کو بلاؤ ۔ تم محتاج تو ان کے ہو۔ سستے ان سے مانگتے ہو۔ گیس انہیں سے مانگو گے اور طالبان کو شریک کرنے کے لئے تجویز نہیں دے سکتے ہو۔ بہرحال یہ ایک داستان غم ہے ۔ ہمارے جنرل حمید گل جو یہاں موجود ہیں جہاد افغانستان کا ایک موثر کردار ہیں ۔ یہ پلاننگ اور منصوبے یہ اسلحہ اور جہاد یہ ساری کوششیں ضیاء الحق شہید کی فیضان تھیں اور منصوبہ صرف یہ نہیں تھا کہ افغانستان سے روس کو بھگائیں ۔ ان کا منصوبہ بڑا عظیم تھا ۔ اگر موقع ملتا تو تاریخ کا رخ بدل جاتا ۔ وسط ایشیاء کی ساری ریاستوں پر اسلام کا پرچم لہرانا تھا ۔ وہ سات ریاستیں تاجکستان، ازبکستان ، ایران ، افغانستان اور ترکی وغیرہ کی یہ نودس ریاستوں کا بہت بڑا سپر پاور بنتا تھا اور ساری پلاننگ اور ضیاء الحق شہید صاحب اور انکے دو تین ساتھیوں کی تھی ۔ یہ افغانستان کے محسن ہیں بلکہ پوری امت کے محسن ہیں ۔ الحمدللہ جناب حمید گل صاحب برحق انسان ہیں ۔ جب ان کو پتہ چلا کہ یہ حق پر ہیں کہ یہ امریکہ اور یہودیوں کے ایجنٹ نہیں ہیں ۔ اپنی رائے بدل دی ۔ فوراً طالبان کے حق میں اٹھ کھڑے ہوگئے ۔ آج اگر ضیاء الحق شہید زندہ ہوتے تو ان کو خوشی کی انتہا نہ رہتی ۔ آج ان کی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ کی روحیں کتنی خوش ہوں گی ۔

محترم بزرگو پورا عالم اسلام منافقین کے شکنجے میں ہے ۔ امریکہ کے پٹوؤں کے ہاتھ میں ہے ۔ ایک فیصلہ کن جہاد شروع ہوچکا ہے ۔ عالم اسلام میں ایک طرف امریکہ ہے دوسری طرف دین کو چاہنے والی مرمٹنے والی قوتیں ہیں ، اور درمیان میں حکمرانوں کے ٹولے سیاستدانوں کے ٹولے ہیں ۔ جو ہمارے اس نظام کو تبدیل نہیں ہونے دیتے ۔ وہ اپنے ہاں اسلام کے قدم جمانے کیلئے تیار نہیں ۔ پاکستان اور الجزائر ۔ مصر اور شام ان تمام ملکوں میں یہ جنگ شروع ہے ۔ کفر اور اسلام کی جنگ اس کیلئے آپ لوگوں نے تیاری کرنی ہے ۔ فارغ نہیں بیٹھنا ہے ۔ انشاء اللہ آپ مقدمۃ الجیش ثابت ہونگے ۔ آپ نے نمونہ قائم کردیا ہے ۔ اسلامی قوتوں کو ایک حوصلہ ملا ہے ۔ ایک ولولہ ملا ہے ۔ اور مجھ پر ٹی وی والوں نے اعتراض کیا الیکشن آور میں کہ آپ طالبان کا ساتھ دے رہے ہیں ۔ میں نے کہا کہ میں یہ الزام سر آنکھوں پر لیتا ہوں یہ تو میرا سب سے بڑا افتخار ہے یہ میرے بچے ہیں میری تمنا ہے کہ پاکستان میں بھی ان منافقوں سے ان خبیث حکمرانوں سے اور سیاستدانوں سے ہمیں چھٹکارا ملے ۔ پاکستان میں بھی یہاں کے طالبان اٹھیں ، سوڈان اور شام میں شام کے طلباء اٹھیں ۔ میری اس بات کو لوگوں نے دل کی بات سمجھا اور پورے ملک میں دوسرے ان طالبان طالبان نجات پاکستان طالبان کی آوازیں گونج اٹھیں ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان میں بھی طالبان جیسی پاکیزہ اور منظم تحریک اٹھا دے ۔ تاکہ پاکستان کے عوام پر بھی اسلامی نظام کے ثمرات مرتب ہوں ۔ (آمین)

دارالعلوم حقانیہ جہاد کی اولین اور سب سے بڑی اکیڈمی ہے ۔

جنرل حمید گل | معزز مہمانان گرامی اساتذہ کرام مجاہد اور میرے محترم طالب علم بھائیو !

کل جو تاریخ گزر گئی ۔ ۲۴ مئی ۱۹۹۷ء وہ ایک نشان اور ایک ایسی تاریخ چھوڑ گئی ، جو صدیوں تک ملت اسلامیہ کیلئے باعث فخر ہوگی۔ کل کے دن طالبان بغیر کسی مزاحمت کے مزار شریف میں داخل ہوئے ۔ الحمدللہ اللہ کی شان ہے کہ طالبان نے بے سروسامانی کے عالم میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ۔ جس پر تمام عالم اسلام ناز کریگا ۔

طالبان جو معصوم ہیں ۔ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے صرف ایک جذبہ تھا ۔ ۱۵ آدمیوں کا جو قافلہ چلا تھا وہ آج ایک عظیم کاروان بن چکا ہے ۔ یہ قافلہ اس عزم کے ساتھ چلا تھا ۔ کہ اس مقدس سرزمین سے فسق و فجور اور الحاد کا جو طوفان اٹھا ہے اس کو ختم کرکے دم لیں گے ۔ آج وہ اس میں کامیاب ہوگئے ۔

افغانستان کے تاریخ میں طالبان کا کیا کردار ہوگا ؟ اس میں شبہہ نہیں کہ میں طالبان کے بارے میں خدشات کا شکار تھا ۔ میں تسلیم کرتا ہوں اس کے دو وجوہات ہیں ۔ کیونکہ میں طویل عرصے سے جو مجاہدین گروپ وہاں کے جہاد میں روس کے خلاف نبرد آزما تھے ان کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات تھے ۔ ان کے ساتھ ایک محبت کا احترام کا انس کا رشتہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں سمجھتا تھا کہ طالبان ناسمجھ ہیں اور ان کے پاس طاقت کا کمی بھی ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طالبان بیرونی سازش اور ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہوجائیں ، کیونکہ میں میں جانتا ہوں کہ جہاد کے جذبے کو کچل دینا جہاد کو بدنام کرنا افغانستان کو تقسیم کرنا اور اسلام کی ابھرتی ہوئی قوتوں کو دبا دینا اس وقت پوری دنیا کے سامنے یہی ایک ہدف رہ گیا ہے۔ روس کی شکست کھانے کے بعد وہاں ایک واحد ہدف ان کے پاس جو رہ گیا ہے جس سے وہ بہت خائف ہیں اور خوفزدہ ہیں ۔ اسلام کو اور مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ کسی بھی طریقے سے جذبہ جہاد کو بدنام کرلیا جائے ۔ کیونکہ خدشہ یہ تھا کہ کہیں یہ معصوم اور سادہ لوح طالبعلم کسی بیرونی سازش کا شکار نہ ہوجائیں ۔ اور اب مجھے دو سال ہوئے افغانستان نہیں گیا ۔ اس دوران میں ۔نے جہاں غور سے تجزیہ کیا اور غور سے سٹڈی کی کہ طالبان کی ہئیت اور حیثیت کیا ہے ؟ میں اعتراف کرتا ہوں آپکے سامنے کہ جو میرا "اور جنرل نقطہ نظر" تھا اب مجھ پر حقیقت حال واضح ہوچکی ہے، میں اپنے سابقہ رویے پر معافی خواستگار ہوں میں نے دیکھ لیا کہ طالبان ایک باشعور اور تجربہ کار اور منظم قوم ہے ۔ اور دین سے مخلص ہیں اور ان میں دور

صحابہ کی جھلک دیکھ رہا ہوں ۔ اب طالبان الحمدللہ مخلص ، دیانتدار اور شریعت کے احکام اور مسائل پر عمل کرنے والے اسلام سے محبت کرنے والے اور صحیح مجاہدین ہیں ۔ جہاں اللہ نے اب انہیں بڑی کامیابی سے ہمکنار کیا ۔ یہ خداوند تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ انہوں نے بڑی طاقتوں کو ختم کروایا۔ بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ فرعون کو، نمرود کو، روس اور برطانیہ کو اور انشاء اللہ امریکہ کو بھی چھوٹی طاقتوں سے مروایا جائے گا۔ چھوٹے چھوٹے طالبان نے بے سروسامانی کے عالم میں تین سال کے اندر پورے افغانستان کو فتح کرلیا۔ تمام جھگڑے ختم کئے اور اسلام کا پرچم سربلند کیا۔ آج ہمیں فخر ہے کہ ان طلباء اور مجاہدوں اور افغان قوم نے ہمارا سرفخر سے بلند کردیا۔ ہم احترام کرتے ہیں ان درسگاہوں گا جس میں ان طلباء نے تعلیم حاصل کی ۔ہم احترام کرتے ہیں جہاد کی سب سے اولین اکیڈمی دارالعلوم حقانیہ کا جو جہاد کی افضل ترین اکیڈمی ہے ۔ کہ اس نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ۔ میں مشکور ہوں ۔ طالبان کا کہ انہوں نے افغانستان کے شہداء کی روحوں کو تسکین پہنچایا ۔ اور وہ خواب جو میں نے دیکھا تھا جو جنرل ضیاء الحقؒ نے دیکھا تھا جو جنرل اختر عبدالرحمٰنؒ نے دیکھا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے ۔ یہ آپ کے ساتھی اور آپ کے ساتھ رہنے والے اور آپ ہی کے مجاہدین بھائی ہیں ۔

آپ کو ایک نیا افغانستان ، ایک نیا اسلامی افغانستان ، ایک نیا پاکیزہ افغانستان اور ایک آزاد افغانستان مبارک ہو ۔ مولانا سمیع الحق صاحب آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے مدرسہ میں پڑھنے والے افغانستان میں اسلام کا پرچم لہرارہے ہیں ، اور تمام اساتذہ کرام کو بھی مبارک ہو۔ اور جہاں جہاں سے یہ پڑھیں ہیں میں ہر ایک کا نام نہیں لینا چاہتا ۔وقت کم ہے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم سب ان طلباء کے ممنون ہیں ، ملت اسلامیہ ان کی ممنون ہے ۔ انہوں نے توڑے عرصے میں وہ کام کرکے دیکھایا جو پاکستان کے اندر ہم پچاس سال میں نہیں کرسکے ۔ پاکستان شریعت کے نفاذ کیلئے بنا تھا ۔ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کیلئے بنا تھا ۔ لیکن آج تک ہم اس سے محروم ہیں ۔ ہمیں ایک نیا جذبہ میسر آئے گا انشاء اللہ افغانستان کے طالبان کی فتح سے ان کی کامیابی سے ہم بھی یہ سوچ رہے ہیں کہ یہ باتیں بڑی واضح ہیں کہ اسلامی ممالک کی جو مشکلات ہیں ان کا حل دراصل اسلامی شریعت کا نفاذ ہے ۔ قرآن وسنت کی بالادستی قبول کرنے میں جب یہ راستہ (اسلامی انقلاب) پکڑلیں گے تو آپ کے تمام مسائل حل ہونگے ۔ اور دوسری اہم بات جو اس تجربہ سے نظر آتی ہے ، وہ یہ کہ جب جوانوں میں ایک نئی عقابی روح بیدار ہوجاتی ہے تو پھر اس کی سامنے ہر چیز ملیامیٹ ہوجاتی ہے ۔ علامہ اقبالؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

طالبان نے اس شعر کو عملی شکل میں پیش کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے نوجوان اور طالبان اس نئے تجربے سے ایک نیا جذبہ اور ولولہ حاصل کرینگے۔ اور پاکستان کو وہ منزل دکھائیں گے جس کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا۔ آج اللہ کے فضل کرم سے طالبان نے تاریخ میں اپنا ایک نیا باب کھولا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہم تمام ملت اسلامیہ بالخصوص پاکستان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس روشنی کے دروازے پر پہنچیں گے جو نیا دروازہ افغانستان میں ہمارے لئے کھلا ہے۔ انشاء اللہ اللہ اسمیں برکت دے گا۔ اور عنقریب بہت بڑی تبدیلیاں رونما ہونگی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے جیسا کہ میں نے کہا تاریخ ایک نیا رخ پکڑ رہی ہے۔ ایک نئی کروٹ لے رہی ہے اور یہ کروٹ جو ہے یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی علامت ہے۔ ہماری دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کوششوں میں اور آپ کو اپنی کوششوں میں کامیاب فرمائے۔ دیکھیں جو یہ کہتے ہیں کہ اتنی بڑی فتح نصیب ہوئی ایک بہت بڑا امتحان آپڑا ہے۔ طالبان حکومت کی انتظامیہ کے اوپر ان کی قیادت کی اوپر اب جو امتحانات ہیں یہ اس امتحان سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ جو اب ان کو درپیش ہے یہ وہ امتحان ہے کہ پوری امت کو سمیٹ لیں ان کو اتحاد کیطرف لے جائیں اور اسکو ایک نظم میں پرو دینا اور بالکل ایسے بنادینا جیسے رسول اللہؐ کے وقت ریاست مدینہ منورہ تھی۔ یہ طالبان اور ہماری مشترکہ خواہش ہے اور ہماری آرزو بھی ہے لیکن اس کے اندر کچھ عملی دشواریاں بھی ہیں، اور ملت کی بکھرے ہوئے لوگوں کو سمیٹنا ہوگا۔ بالخصوص ان قوتوں کو جنہوں نے جہاد میں حصہ لیا۔ انہوں نے برائی کی، انہوں نے اسلام اور دین کا راستہ چھوڑ دیا، شریعت چھوڑ کر اپنے آپ کو اقتدار کی کشمکش میں ڈال دیا۔ جس کے نتیجے میں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ذلیل وخوار ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی رسوا کیا جہاد کے نام کو بھی رسوا کیا۔ لیکن وہ وقت گزر گیا ہے اب وقت ہے صلح حدیبیہ کا کہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ جو اسلام اور دین کے نام لیوا ہیں۔ وہ صلح حدیبیہ کے اوپر بھی نظر رکھیں۔ اور جو لوگ بعد میں اپنے کئے پر شرمندہ ہیں ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے۔ پھر ان کو اٹھا کر گلے لگانا ہمارا فرض ہے۔ یہ نہیں کہ ہم انہیں نکال دیں وہ ہماری ملت کا حصہ اور ہمارا خون ہیں، ہماری جماعت کے ساتھی رہے ہیں۔ لہذا ہم کوشش کریں گے اور ان پر یہ باور کرایا جائے گا یہ حقیقت آشکارا کرائی جائے گی۔ کہ دیکھیں جہاں طالبان کی مرکزی حکومت قائم ہوچکی ہے امیرالمومنین کا سکہ قائم ہوچکا ہے۔ اور قوم نے اس کی تائید کردی اب یہ بات جائز نہیں

کہ اس کی مخالفت کی جائے ۔ یہ غیر اسلامی اور غیر اخلاقی بات ہوگی ۔ اور یہ جہاد کی روح کے خلاف بھی ہے ۔ چنانچہ میں یہ کوشش کرونگا میرے ساتھی اور بھی ہیں وہ بھی یہ جذبہ رکھتے ہیں ۔ ہم انشاء اللہ اپنی بھرپور کوشش کرینگے ، کہ ہم ان کو بھی باور کرائیں کہ آپ حقیقت کو تسلیم کریں ۔ لیکن دوسری طرف طالبان اور آپ لوگوں کیلئے ایک پیغام ہے کہ اب صلح حدیبیہ کا وقت آگیا ہے اور صلح حدیبیہ تو کفار کے ساتھ ہوئی تھی ۔ اب الحمدللہ دوستم کا جو گند تھا وہ چلا گیا ۔ وہ گند اب نکل گیا ۔ اب باقی جو بچا ہے اسکو آپ سمیٹ لیں اور ان کو قریب لاکے ان کی ساتھ ایسا معاملہ کریں کہ وہ تاریخ اور افغانستان کی تعمیر نو میں شریک ہوجائیں ۔ افغانستان میں انہوں نے بھی بہت قربانیاں دی ہیں ۔ افغانستان کے اوپر بہت ظلم ہوا لیکن افغانی قوم کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے ۔ انہوں نے تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا ۔ مجھے کوئی یہ بتائے کہ دنیا میں ایسی بھی کوئی قوم اور ملک ہوگا جو پوری طرح آزاد ہو یا اس پر قرض نہ ہو ۔ یا کسی کے احسان مند نہ ہو ۔ یہ ایسی واحد قوم ہے جو مکمل طور سے آزاد ہے ۔ جو کسی کی احسان مند نہیں ۔ اگر پاکستان کی احسان مندی کا اظہار کرتی ہے تو بڑی اچھی بات ہے لیکن یقین کریں ۔ یہ ہمارا فرض تھا اور ہم نے یہ فرض پورے طریقے سے نہیں نبھایا ہمیں اس بات پر دکھ ہے کہ اس سے زیادہ خدمت کرنی چاہئیے تھی ۔ اپنے افغان بھائیوں کی ۔ میں جہاد میں شریک رہا مجھے فخر ہے کہ میرے دو بچے بھی اس جہاد میں شامل رہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ بڑی اچھی بات ہوتی اگر اسمیں میرا ایک بچہ شہید ہوجاتا یا میں جہاد افغانستان میں شہید ہوجاتا تو مجھے فخر ہوتا ۔ آج اعجاز الحق بیٹھے ہوئے ہیں اس حقیقت کو جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں آپ بھی جانتے ہیں کہ شہید ضیاء الحق افغانستان کی وجہ سے شہید کئے گئے ۔ اور اس لئے مجاہدین نے ان کو "شہید افغانستان" کا لقب دیا ۔ ہم نے حکومتوں سے ٹکراؤ لیا ۔ یہاں پر اسکے ساتھ جھگڑے کئے ۔ انہیں کہا کہ آپ اپنی پالیسی امریکہ کے زیر اثر بنارہے ہیں ۔ یہ غلط ہے اور آج بھی ہم حکومت کو برملا کہہ رہے ہیں اور اسکو وارننگ دیتے ہیں آپ سب لوگوں کی موجودگی میں کہ خدا کے لئے امریکہ کے آبروئے چشم کا انتظار مت کرو ۔ افغانستان کی ۲۶۰ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ جو کابل کے اندر موجود ہے اسے تسلیم نہیں کیا گیا ۔ کیوں نہیں کیا گیا یہ سراسر ظلم اور ناجائز ہے ۔ اب کسی کی انتظار نہ کرو ۔ اور نہ امریکہ کی طرف دیکھو طالبان نے صرف اللہ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا ۔ وہ اللہ کے ساتھ کھڑے ہوئے تو اللہ ان کے ساتھ کھڑے ہوگئے ۔ تم کس امریکہ سے ڈرتے ہو ۔ تمھیں کیسی کلنٹن کی ضرورت ہے ۔ جب اللہ تمھارے ساتھ ہوں ، جب افغانستان کے طالبان تمھارے ساتھ ہوں ، تمھیں کس چیز کی ضرورت نہیں ۔ اب بغیر کسی تاخیر

کے پوری طور پر طالبان کی حکومت تسلیم کرلو ۔ اور بھول جاؤ باقی سب کو اور دیکھو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور برکتیں تمھارے اوپر کیسے نازل ہوتی ہے ۔ لیکن ہمارے حکمرانوں کے عقیدے کمزور ہیں ۔ کوشش کریں گے کہ ان کو قوت ایمانی دلائی جائے ۔ قوت ایمانی کے ساتھ ان سے بات کی جائے اور اگر وہ نہیں مانیں گے تو پھر ہمارے پاس اور بھی کھلے راستے ہیں ۔ ہم بھی خون بہانا جانتے ہیں ، خون دینا ، خون لینا بھی جانتے ہیں ۔ اگر آپ (حکومت) بیرونی سازشوں اور تخریب کاروں کا ساتھ دینگے تو ہمیں آپ کی ضرورت نہیں ہے ۔ اگر آپ کو جہادی تحریک کو کچلنے کے لئے آنا ہے ، اور امریکہ کے اشارے پر جہاد کو بدنام کرنا ہے ۔ تو پھر ہمیں آپ کی ضرورت نہیں ۔ اور یہاں بھی جہاد جاری ہوگا اور دیکھ لو گے ۔ ہمیں تمھاری کرسی کی ضرورت نہیں ۔ اور اگر آپ نے اپنی کرسی کا صحیح استعمال نہ کیا اور وہ راستہ نہیں اپنایا جو اللہ اور اس کے رسول اللہؐ کا راستہ ہے اور جس راستے کے لئے پاکستان بنایا گیا تو پھر ہمارے اور آپ کے راستے الگ الگ ہیں ۔ اللہ کی فضل وکرم سے اور طالبان کی قربانیوں سے ان کے اخلاق ان کے جذبے سے جو آپ (علماء) لوگوں نے ان کو فراہم کیئے ان کی وجہ سے وہ مقام آگیا ہے کہ پاکستان مضبوط انداز میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔ اور امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہے کہ ہم تمھاری کسی بھی پالیسی کو قبول نہیں کرتے جو ہمارے رسول اللہؐ کے دکھائے ہوئے راستے سے منطبق نہ ہو ۔ اور معزز حاضرین جب اللہ ہمیں کوئی کامیابی عطافرماتے ہیں تو ہم ان کے سامنے بطور شکرانہ کے جھکتے ہیں ۔ ہم اور زیادہ انکساری اور زیادہ محبت کا ثبوت دیتے ہیں ۔ اور زیادہ اتحاد کی طرف مائل ہوتے ہیں ۔ تو آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی اصلیت اور اپنے مقام کو پہچانیں ۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اسکے زور بازو کا

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں

یاد رکھو دنیا میں جب بھی تاریخ لکھی جائے گی ۔ صرف افغانستان کی تاریخ نہیں عالمی تاریخ طالبان کے بغیر ناممکن رہے گی ۔ طالبان نے جو عظیم قربانیاں دی ہیں اس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا ہے ۔ آپ کو معلوم ہی کہ میں خود تاریخ کا ایک طالب علم ہوں ۔ قوموں کی تاریخ ، عروج وزوال پر گہری نظر رکھتا ہوں ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مشرق سے نیا سورج طلوع ہو رہا ہے تھوڑے عرصہ میں اس کی ضیاء بار کرنیں مشرق ومغرب کو منور کریں گی ۔ آئندہ کی تاریخ طالبان کے بغیر نامکمل ہوگی ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر رہو ۔

جہادی لیڈروں کو چاہئیے تھا کہ طالبان کی آواز سے آواز اور قدم سے قدم ملا دیتے۔

جناب اعجاز الحق

جناب مولانا سمیع الحق صاحب، جناب جنرل حمید گل صاحب میرے عزیز بھائیوں سب سے پہلے تو میں مولانا سمیع الحق صاحب کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آج کا دن طالبان کی کامیابی کا دن ہے۔ یہ صرف افغانستان میں طالبان کی کامیابی کا دن نہیں بلکہ یہ عالم اسلام کیلئے کامیابی کا دن ہے۔ اور آج صبح مولانا صاحب نے فون کر کے اکوڑہ خٹک آنے کی دعوت دی، اور کل جیسا کہ میں نے بتایا کہ مولانا صاحب نے کہا کہ افغانستان کے وزیر خارجہ، گورنر اسٹیٹ بینک اور پاکستان میں سفیر اور دیگر ارکان سے میری بہت تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اور میں نے کہا کہ ہماری کامیابی پاکستان کی کامیابی ہے، اور مجھ سے میرے تاثرات پوچھے میں نے انہیں کہا کہ ۱۹۸۸ء کے بعد جب جنرل ضیاء الحق شہید ہوئے جو کہ نہ صرف عالم اسلام کے سپاہی تھے بلکہ میرے والد بھی تھے۔ میں نے ان کو کہا کہ والدین کی جدائی کا غم جو ہے وہ بہت مشکل ہے۔ اس کو دل سے دور کرنا سخت کام ہے لیکن میں نے کہا کہ جب میں اپنے افغان بھائیوں سے ملتا ہوں تو خدا کی قسم میرا دل یہ کہتا ہے کہ ضیاء الحق آج بھی زندہ ہے۔ اور مجھے نہ صرف انہوں نے وہاں آنے کی دعوت دی بلکہ یہ بھی کہا کہ شہید ضیاء الحق کا جو کردار تھا انہوں نے اپنی پوری زندگی اور جوانی کو راہ جہاد میں صرف کر دی۔ انہوں نے نہ صرف افغانستان میں کارہائے نمایاں انجام دیے بلکہ مشرقی یورپ کو بھی آزادی کرادیا اور اسی جہاد کے نتیجہ میں دیوار برلن گرادی گئی بوسنیا اور چیچنیا کے اندر اسلامی جذبہ پیدا ہوا۔ طالبان کے وفد میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ میں آج چین کے صوبہ سنکیانگ سے آیا ہوں وہاں کوئی ایسی دکان نہیں تھی کہ جہاں ضیاء الحق کی تصویر آویزاں نہ ہو۔ یہ انکی ہر دل عزیزی کی علامت ہے۔ آج میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب بھی جہاد افغانستان کی جب ہم بات ہوگی ان لوگوں کو نہیں بھلانا چاہئیے جنہوں نے روس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یہ صحیح بات ہے کہ بعد میں آپس میں کچھ اختلافات کیوجہ سے کچھ صحیح فیصلے ہوئے کچھ غلط فیصلے ہوئے انہیں چاہیئے تھا کہ طالبان کی آواز کیساتھ اپنی آواز اور طالبان کے قدم کیساتھ اپنا قدم ملادیتے۔ اور اسلام کا جھنڈا بلند کرتے لیکن آج انہوں نے طالبان کے خلاف اپنے آقاؤں کو خوش کرلیا۔ آج میں نے کہا تھا کہ طالبان جو ان قائدین سے ملنے آئے کہ اعمال کا جو دارومدار ہے وہ نیتوں پر ہے، اور میں نے کہا کہ آپ تو اسلام کا جذبہ لیکر اٹھے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جہاں جہاں وہ گئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد ان کے ساتھ تھی۔ اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک افغانستان میں شریعت

کا بول بالا ہے ، اور میں نے کہا کہ جہاد کے ثمرات کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہؐ کے حکم پر عمل درآمد کرنا ہوگا ۔

مسلمانوں نے جب تک اپنے افغان مجاہدین کو اپنے سینے سے لگاکر رکھا ہے اللہ نے پاکستان کے اوپر برکتیں نازل کی ہیں ۔ کوئی آٹے کا بحران نہیں آیا جو شہید ضیاء الحق کا دور تھا ۔ اللہ کے فضل سے امن کادور تھا ۔ ایک طرف روس کے ساتھ جہاد ہورہا تھا دوسری طرف ہندوستان کو دبائے رکھا تھا ۔ اور آج دوتہائی اکثریت مسلم لیگ کیساتھ ہے ۔ لیکن بے روزگاری ، بدامنی ، مہنگائی کسی چیز پر کنٹرول نہیں ۔ چونکہ یہ چیزیں اللہ کی رحمت سے ہوتی ہیں ۔ یہ عقیدہ جو ہے یہ نہیں کہ دوتہائی اکثریت آگئی ۔ اور آپ قانون کو تبدیل کریں ۔ لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ جتنا پاکستان مسلم لیگ یا حکومت پاکستان نے یہ تہیہ کررکھا ہے کہ پاکستان کے اندر بھی شریعت کو نافذ کرینگے ۔ مکمل طور پر ان کی برکتیں انشاء اللہ پاکستان کے اوپر نازل ہونگی ۔ اور آج عالم اسلام کی نظریں پاکستان کی طرف ہے ۔ کل کو امریکہ بھی مجبور ہوکر طالبان حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوگا ۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان جسکو سب سے پہلے ایسا کرنا چاہیئے تھا لیکن اس نے ابھی تک طالبان کو تسلیم نہیں کیا ۔ اور اگر کل کو ہندوستان نے طالبان حکومت کو تسلیم کیا تو میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے باعث شرم ہوگا ۔ اور آج اللہ کے فضل وکرم سے مولانا احسان اللہ نے مجھے کہا کہ امیرالمومنین کا پیغام ہے اور ہماری بھی خواہش ہے کہ انشاء اللہ ہم آپ کو دعوت دینگے کابل کے آنے کیلئے ۔ اور یہ جو ضیاء الحق شہید کی یہ آرزو تھی کہ ایک آزاد اور خودمختیار اسلامی حکومت افغانستان میں قائم ہو ۔ اور کابل جاکر دورکعت نماز شکرانا پڑھیں ۔ مولانا احسان اللہ نے کہا کہ انشاء اللہ ضیاء الحق کی جو خواہش تھی اس کو اب آپ اور ہم پورا کرینگے ۔ اور وہاں جاکر دورکعت کے شکرانے کا نفل اداکرینگے ۔ میں وہاں اپنے بھائیوں سے ملنے کیلئے اور جانے کی تیاری کررہاہوں ۔ افغانستان میں مسلمانوں نے ۱۴۰۰ سال قبل والی تاریخ دہرائی ہے ، اور مدینہ کے انصار کے بعد پاکستان میں لوگوں نے وہی سنت دہرائی ہے اور اس لئے بھی کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے ۔ ہمیں یقین ہے اور ہم سب کو یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ ہمارے دل میں اسلام کی محبت ڈالیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا جذبہ پیدا کرنے کی توفیق عطافرمائیں ۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کے جذبے سے سرشار فرمائیں ۔ تاکہ ہر پاکستانی کے دل میں جہاد کا جذبہ پیدا ہو ۔ وہ جہاد رشوت کے خلاف بھی ہو ۔ زنا کے خلاف بھی ہو ۔ میں ایک مرتبہ پھر آخر میں مولانا سمیع الحق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

یہ سب کچھ مولانا عبدالحق رح کے جہادی درسوں کا نتیجہ ہے۔

مولانا شیر علی شاہ

میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہاں تشریف لاکر ہمارے ساتھ اس خوشی کے موقع پر شرکت کی۔ ہمیں اس پر فخر ہے کہ الحمدللہ ہمارے ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کے دلوں میں جہاد کے جذبات موجزن ہیں وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ کب پاکستان میں اسلامی نظام کے لئے ایک اسلامی تحریک برپا ہوگی۔ میں اپنے محترم بھائی جناب مولانا سمیع الحق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آج تمام عالم میں گویا دارالعلوم حقانیہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ان کے اکثر فضلاء افغانستان میں ہیں۔ جہاد میں سب سے زیادہ دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور علماء کا حصہ ہے۔ جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی " مولانا عبدالحق رح " کے جہادی درسوں کا نتیجہ ہے کہ جو طالبعلم یہاں سے فارغ ہوتا تو بعد میں جہاد میں سرگرم عمل ہوجاتا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم شیخ الحدیث رح کی قبر پر لامتناہی انوار و برکات نازل فرمائیں۔ اس جہاد میں پاکستان کے علماء دینی مدارس اور ان مہمانوں کی طرح بہت سے غیور لوگ حصہ لیتے رہے ہیں۔ آج امریکہ اس وجہ سے لرزہ براندام ہے کہ میں ایک سپر طاقت ہوں لیکن میرے ہاں امن وامان نہیں ہے۔ امریکہ میں ہر طرف ڈاکہ زنی، چوری اور بدامنی ہے، لیکن طالبان جہاد میں مصروفیت کے باوجود جن صوبوں پر ان کا کنٹرول ہے وہاں پر مکمل امن وامان ہے، کوئی چوری کا تصور نہیں کرسکتا۔ اسلامی نظام عدل وانصاف اور رواداری کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ ہمیں شریعت اور اسلامی نظام کی بہاروں سے نوازے۔ حصول پاکستان کا مقصد بھی یہی تھا، کہ یہاں پر خدائی قانون کی بالادستی ہوگی اور نظام مصطفیٰ ص کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن نااہل حکمرانوں اور دنیا پرست سیاستدانوں کی وجہ سے آج تک ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں۔

دعائے مغفرت

دارالعلوم حقانیہ کے مدرس اور دارالحفظ کے نگران جناب حافظ شوکت علی صاحب کی والدہ کا پچھلے دنوں انتقال ہوا۔ دارالعلوم میں مرحومہ کی ایصال وثواب کے لئے قرآن خوانی کی گئی۔ اور نماز جنازہ میں دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین (ادارہ)

عرفان صدیقی صاحب

طالبان کا افغانستان

محترم جناب عرفان صدیقی صاحب ایک نامور صحافی مشہور ادیب اور معروف کالم نگار ہیں۔ آنجناب نے ایک سال قبل حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے ہمراہ قندھار کا دورہ کیا تھا۔ اور اس کے بعد انہوں نے صحیح حالات وواقعات کا جائزہ معاصر ہفتہ وار جریدہ "تکبیر" میں شائع کیا۔ اور پھر مختلف اخبارات میں بھی طالبان کی حمایت میں لکھتے رہے۔ زیر نظر مضمون بھی دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ والہانہ عقیدت اور لشکر محمدی طالبان کے ساتھ خصوصی محبت کا آئینہ دار ہے۔ ہم آپکے اس کالم کو بشکریہ "جنگ" (۳۰ مئی) کے ساتھ نذر قارئین کررہے ہیں۔

ابھی پورا ایک سال بھی نہیں گزارا۔ یہ قصہ ہے اگست ۱۹۹۶ء کا جب میں نے مولانا سمیع الحق کے ہمراہ قندھار اور ہرات کا دورہ کیا اور امیرالمومنین ملاعمر سمیت طالبان کی قیادت کو قریب سے دیکھنے اور ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ دورے سے واپسی پر میں نے چار قسطوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ مضامین لکھا جس کا عنوان تھا "طالبان کا افغانستان" بہت سے لوگوں کو الفاظ کا یہ مرکب پسند نہ آیا اور وہ پورے افغانستان کو طالبان کے نام سے منسوب کرنے کو مبالغہ آرائی قرار دیتے رہے۔ جہاد افغانستان کے جن "ورثا" نے میرے تجزیئے سے اختلاف کرتے ہوئے طالبان کی اٹھان کو وقتی ابال قرار دیا اور ان کی شان نزولی کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا ان میں لیفٹننٹ جنرل (ر) حمید گل اور برادرم اعجازالحق بھی شامل تھے۔ دونوں حضرات کا جہاد افغانستان اور مجاہدین کے ساتھ گہرا جذباتی رشتہ ہے اس لئے میں اپنے مشاہدات کی تحریر اور داستان گوئی کی صلاحیت کے باوجود انہیں قائل نہ کرسکا کہ ان پر اسرار بندوں کی قوت ایمانی افغانستان میں ایک نئی تاریخ رقم کرنے والی ہے۔ ۲۴ مئی کوئی تین بجے سہ پہر میرے فون کی گھنٹی بجی۔ جنرل حمید گل کی آواز میں شدت جذبات کی لرزش تھی۔ "مبارک ہو۔ طالبان نے شبرغان فتح کرلیا ہے اور مزار شریف کسی لمحے ڈھیر ہونے والا ہے۔ تقریباً اسی وقت طالبان کے وزیر خارجہ حاجی محمد غوث اخوند اور ملا محمد عمر کے معتمد خاص مولوی احسان اللہ، افغان سفیر کے

ہمراہ اعجاز الحق کے گھر دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے اور اعجاز الحق اس عظیم کامرانی پر ہدیہ تبرک پیش کر رہے تھے ۔ حاجی محمد غوث بتا رہے تھے کہ حال ہی میں انہوں نے چینی صوبے سنکیانگ کا دورہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسلمانوں کے بیشتر گھروں میں جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی تصویریں آویزاں ہیں ۔ افغان سفیر ، امیرالمومنین ملا محمد عمر کی طرف سے اعجاز الحق کو دورہ افغانستان کی دعوت دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ طالبان کی قیادت ، ضیاء الحق کی روح کی آسودگی کے لئے آپ کے ہمراہ کابل کے پل "خشتی" مسجد میں شکرانے کے نوافل ادا کرنا چاہتی ہے ۔ اعجاز الحق نے کہا کہ والد کی موت کا دکھ کسی بھی بیٹے کیلئے قیامت کا دکھ ہوتا ہے ۔ لیکن جب میں سادہ ومعصوم ، حق آگاہ اور حق پرست افغانیوں سے ملتا ہوں تو میرے دل میں فخر اور طمانیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور میرے دل کے اندر ایک آواز اٹھتی ہے کہ میرا باپ کبھی نہیں مرسکتا ۔ مولوی احسان اللہ احسان اپنی کرسی سے اٹھے اور اعجاز الحق کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولے ۔ " جب تک ایک بھی افغانی زندہ ہے ، ضیاء الحق نہیں مرسکتا ۔ " دونوں کا مکالمہ آنسوؤں میں تحلیل ہوگیا ۔ اسی شام (ر) حمید گل طالبان کے اس اعلیٰ سطحی وفد سے ملنے گئے اور دیر تک نئی پیش رفت کے مضمرات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا ۔ اگلے دن مولانا سمیع الحق نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ایک " تقریب تشکر " کا اہتمام کر ڈالا ۔ علی الصبح مولانا نے فون کیا اور اکوڑہ خٹک آنے کا حکم صادر فرمایا ۔ میں مولانا سمیع الحق کو طرح دے سکتا ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ اکوڑہ خٹک کی عظیم درسگاہ کی تمکنت اور اس کے تاریخ ساز کردار کی عظمت میرے دل پر اس طرح رقم ہے کہ دارالعلوم حقانیہ سے جاری ہونے والے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا ۔ جب بھی جہاد افغانستان کی مستند تاریخ لکھی جائے گی دارالعلوم حقانیہ کے سرچشمہ فیضان کا تذکرہ ضرور ہوگا اگر اقبال کی شاعری نے لاہور سے خاک بخارا و سمرقند تک ایک ولولہ تازہ دیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی عالی مرتبت شخصیت نے بھی وسط ایشیائی ریاستوں کے مسلمانوں کو علم وحکمت کے نور سے نوازا ۔ آج بھی دارالعلوم حقانیہ میں اچھی خاصی تعداد ازبکستان اور تاجکستان سے آئے ہوئے نوخیز مسلم طلبہ کی ہے جو اپنی گم گشتہ میراث کی تلاش میں یہاں تک آئے ہیں ۔ تقریب تشکر میں محمد اعجاز الحق اور جنرل (ر) حمید گل بھی مدعو تھے ۔ دونوں نے مجھ سے بھی ہمراہ چلنے کے لئے کہا یہ ایک اچھی اور جذبوں سے لبریز تقریب تھی ۔ اعجاز الحق ، حمید گل اور مولانا سمیع الحق نے جو کچھ کہا ، وہ وہی تھا جو ایسی تقریبات میں کہا جاتا ہے لیکن میرے دل میں یہ احساس چٹکیاں لے رہا تھا کہ تقریباً نو ماہ قبل میری معروضات اور ان ورثائے جہاد کے نقطہ نظر میں کتنا فاصلہ تھا ۔ جس افغانستان کو اپنے تمام تر زور قلم کے باوجود میں " طالبان کا افغانستان "

باور نہیں کرا سکا تھا ، آج اعجاز الحق اور حمید گل اسی افغانستان کے بارے میں پھیپھڑوں کی پوری قوت بروئے کار لاتے ہوئے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر طالبان کی حکومت کو تسلیم کیا جائے ۔ کھانے کے دوران میں نے اعجاز الحق اور جنرل حمید گل کو حفیظ جالندھری مرحوم کا ایک شعر سنایا :

حفیظ اہل زباں کب مانتے تھے — بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

اور یہ بات میں نے اس وقت بھی لکھی تھی کہ طالبان کی آنکھوں میں مرد مومن کی اس معجزنما نگاہ کا عکس ہے جو تقدیر میں بدلنے کی قدرت رکھتی ہے ۔ اپنے سلسلہ مضامین کی آخری قسط میں میں نے لکھا تھا " طالبان کا پس منظر اور پیش منظر کچھ بھی ہو وہ عملاً ایک طاقت ہیں اور کسی بھی پائیدار حل کیلئے ان سے کنی کترا کے گزرنا ممکن نہیں ۔ " آج یہ حقیقت افغانستان کے در و دیوار پر رقم ہے اور پاکستان نے باضابطہ طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے یہ ایک لائق تحسین فیصلہ ہے ۔ ہمیں امریکہ اور مغرب کے دباؤ سے آزاد ہوکر اپنے فیصلے آپ کرنے کی جرات پیدا کرنا ہوگی ۔ پاکستان کے گرد و پیش رونما ہونے والی تبدیلیاں خوش آئند ہیں اور ہماری قیادت ایسے ہی جرات مندانہ فیصلے کرتی رہی تو نئے امکانات کے دریچے وا ہوسکتے ہیں ۔ میں برادرم جناب اعجاز الحق اور حمید گل جیسی اہمیت نہیں رکھتا کہ طالبان کو مبارکباد دے سکوں یا انہیں میری اشیرباد کی ضرورت ہو لیکن سنا ہے کہ مولوی احسان اللہ احسان میرے بارے میں پوچھتے رہے ۔ گذشتہ برس ان سے قندھار میں تفصیلی ملاقات ہوئی تھی ۔ وہ شورائے عالی کے رکن ، کابل کے حاکم اعلیٰ اور سٹیٹ بینک کے گورنر ہیں ۔ آپ ان سے ملیں تو شاید ہی وہ اپنے ان مناصب کا تذکرہ کریں البتہ وہ اپنا تعارف کراتے وقت اس بات کا حوالہ ضرور دیں گے کہ " میں کابل کی تاریخی مسجد پل " خشتی " کا امام ہوں ۔ طالبان کی سادگی و پرکاری اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا سا عجز و انکسار ہی ان کی قوت ہے ۔ میں قندھار میں تھا تو وہاں کے گورنر حاجی ملا محمد حسین رحمانی سے ملاقات ہوئی ۔ جہاد میں ان کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی تھی اور وہ مصنوعی ٹانگ لگا کر چلتے تھے اگلے دن میں اپنے تین صحافی دوستوں اور افغانی ڈرائیور کے ہمراہ سڑک سے گزر رہا تھا کہ فٹ پاتھ پر والی قندھار حاجی ملا محمد حسن رحمانی لاٹھی ٹیکتے پیدل چلتے دکھائی دیئے ۔ میں ششدر رہ گیا ، گاڑی رکوائی ، ڈرائیور سے ماجرا پوچھا ۔ وہ سادگی سے بولا ۔ " گورنر صاحب کے پاس یہی گاڑی تھی جو کل آپکے زیر استعمال ہے ۔ اس لئے وہ پیدل جارہے ہیں ۔ " اگر " طالبان کا افغانستان " ان درخشندہ روایتوں کو زندہ رکھ سکا تو تاریخ اس کے قدموں تلے ہوگی ۔
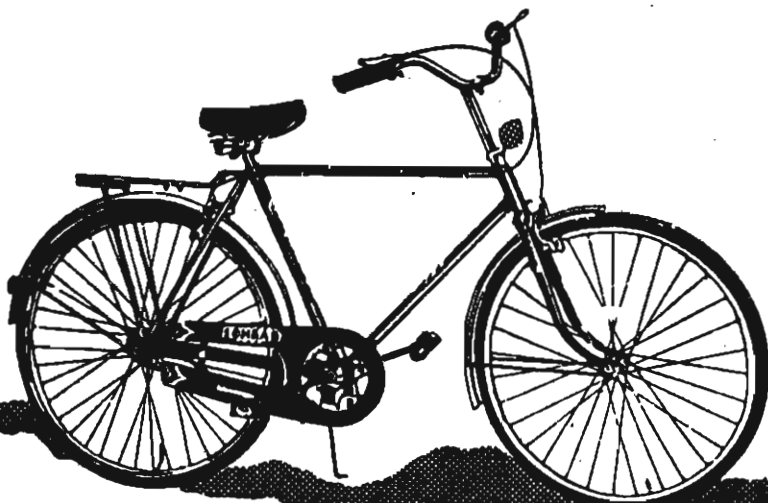
مولانا انوار الحق صاحب۔
نائب مہتمم واستاذ الحدیث جامعہ حقانیہ

شہیدوں کے خون سے منور سرزمین

افغانستان میں چار دن

احقر ۱۴ ذی الحجہ کو علماء کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ ، جوکہ استاذ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ استاذ جامعہ حقانیہ، حضرت مولانا صاحبزادہ فضل الرحیم ، نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاھور، حضرت مولانا علی اصغر صاحب عباسی مدرس جامعہ اشرفیہ لاھور، حضرت مولانا عبدالمتین صاحب ، استاذ جامعہ اشرفیہ لاھور، ممتاز سماجی کارکن اور طالبان تحریک کے پرجوش حامی میاں حضران بادشاہ، حاجی عبداللہ صاحب لاھور، حافظ قاری اجود جنید لاھور، حافظ عبدالستار اکوڑہ خٹک پر مشتمل تھا، آگ وخون کے سمندر سے گزر کر اسلامی فکر کی اشاعت و ترویج کے لیے لاکھوں شہداء کی قربانی دینے والی سرزمین افغانستان میں طالبان کے زیر انتظام علاقوں میں ان کے کارناموں کو دیکھنے کے لئے ان سرفروشوں کی دعوت پر جاکر چار دن گزارنے کے بعد واپس آیا۔ وہاں جو کچھ دیکھا اور پایا سپرد قلم کرنے سے پہلے حصہ اول میں طالبان تحریک کے مختصر پس منظر کو عرض کرنے کے بعد انشاء اللہ مشاہدات وتاثرات پر مبنی دوسرا حصہ اگلے شمارہ میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کرونگا۔

پاکستان اور وسط ایشیاء کے نقشے پر ایک بار پھر ابھرنے والی اسلامی ملکوں کے سنگھم پر واقع مملکت افغانستان سولہ سال سے پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ اور عام وخاص کی توجہ کا مرکز ومحور رہا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل بیشتر ممالک کسی نہ کسی شکل وصورت میں اسلام دشمن طاقتوں کے زیر تسلط رہے۔ مگر افغانستان واحد اسلام کے نام پر مرمٹنے والے

غیور مسلمانوں کا خطہ ہے کہ اسے وقت کی بڑی بڑی جابر و قاہر استعماری قوتیں بھی زیرنہ کر سکیں۔ جب بھی نو آبادیاتی نظام کے علمبرداروں نے اس ملک کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ اسی شوق غلبہ واقتدار کی خواہش کے پیش نظر سولہ سال قبل اس وقت کا سرخ سامراج جو سوویت یونین کے نام سے دنیا کے نقشے پر موجود تھا، نے اس قوم کو للکار کر ظالمانہ یلغار کی۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلامی نظام اور اسکے ثمرات سے خائف بالخصوص انگریز سامراج نے مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا جذبہ ختم کرنے کے لئے تمام حربے استعمال کئے۔ اور انہی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں جہاد کا جذبہ سرد ہو کر ملت اسلامیہ دنیا کی کمزور ترین، بے بس، عضو معطل اور مغلوب و مجبور قوم بن کر رہ گئی۔ اور ملت اسلامیہ کا وہ قوت و دبدبہ جو جہاد کے برکت سے پورے عالم میں مسلّم رہا۔ جہاد کو چھوڑ کر امت اجتماعی مشکلات اور مایوسیوں کے گرداب میں پھنس گئی حالانکہ ایک وہ وقت تھا کہ امت مسلمہ جہاد کے جذبہ اور سپرٹ سے سرشار تھی جہاد کا علم لے کر کفر کی تمام طاقتیں ان کے سامنے سرنگوں رہیں۔ مسلمان اس عزت ووقار کے علامت کو ترک کر کے اپنے ذلت ورسوائی کا باعث بنے۔ حضور اکرمؐ نے جس اہم فریضہ کو "ذروۃ السنام" "اسلام کی کوہان، یعنی رفعت و بلندی سے تعبیر کر کے اسلام کے دعویداروں کو اسکی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اغیار کے پراپیگنڈہ اور جال میں پھنس کر اللہ کے وعید "کہ جو قوم جہاد ترک کر دے اللہ اسے عذاب عامہ میں مبتلا کر دیتے ہیں" کا مصداق بن گئے، اور اسلام دشمن قوتیں صرف نام کے مسلمانوں کے زیر کنٹرول علاقوں کے درپردہ مالک بن کر ان کو اپنے احکامات اور نظریات کا تابع بنادیا۔ ان مایوس کن حالات میں افغانستان کے باسی قابل صد آفرین ہیں کہ روسی استعمار کا مقابلہ نہایت بے سروسامانی کی حالت میں کر کے انہوں نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی نہ صرف یاد تازہ کر دی بلکہ مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے عاری، مردہ اجسام میں ایک نئی روح پھونک دی۔

عالم اسلام کے مظلوم و مغلوب مسلمانوں کو زندہ رہنے کا سلیقہ سکھایا۔ یہ وہ دور تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے سیاستدان ماہرین حرب وعسکری امور، سوویت یونین جیسی سپرپاور قوت کے مقابلہ میں افغانستان کے بے سروسامانی، بھوک وافلاس کی حالت میں لڑنے والے مجاہدین کو شرپسند تخریب کار" اور "دیوانوں" جیسے القاب سے نوازتے رہے۔ اور فخریہ انداز میں دعوے کرتے کہ روسی استعمار کو شکست دیکر افغانستان سے نکالنے کے دعوے "دیوانوں" کی "بڑ" ہیں۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ روسی افواج کسی ملک میں داخل ہو جائیں اور ان کو بزور قوت نکالا جائے۔ یہ تو مخالفین کے دعوے تھے مگر مجاہدین افغانستان نے علم جہاد بلند کرنے کے بعد تقریباً سولہ لاکھ جانوں

کی قربانی اور اتنے ہی تعداد میں معذور وزخمیوں اور ۲/۳ حصہ گھربار چھوڑ کر ہجرت کے نذرانے پیش کرنے کے بعد نہ صرف سویت یونین کو شکست سے دوچار کردیا بلکہ دنیا کے نقشے سے اس نام ونہاد سپر قوت کے شناخت کو بھی مٹاکر پارہ پارہ کردیا ۔ افغان جہاد کے دوران نصرت خداوندی کے وہ عجیب وغریب واقعات وحالات رونما ہوئے جن کی وجہ سے دنیائے کفر پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ حق وباطل کے درمیان اس طویل ترین جہاد کے ثمرات ضائع کرنے کے درپے ہوئے ۔

مجاہدین کی پے درپے کامیابیوں کو دیکھ کر دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے دینی حمیت اور درد رکھنے والے مخلص مسلمانوں کو امید پیدا ہوئی کہ انشاء اللہ پندرھویں صدی ہجری میں ایک بار پھر ایسی مملکت دنیا کے نقشے پر ابھر کر سامنے آئیگی جسمیں حقیقی طور پر اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا اور یہ مملکت پورے عالم اسلام ، روس کے زیر تسلط مقہور ومظلوم وسطی ایشیائی ریاستوں اور ساری دنیا میں اسلام کے نشاۃ ثانیہ کیلئے سنگ میل ثابت ہوگی ۔ مگر اسلام کو "بنیاد پرستی" اور "دہشت گردی" کانام دینے والے، مسلمان کے نام سے الرجک قوتوں اور ان کے نمک خوار آلہ کاروں کو اس جہاد کی کامیابی میں اپنی تباہی کے خطرات نظر آنے لگے ۔ کہ افغانستان ایک مکمل اسلامی مملکت بن کر کہیں امت مسلمہ کے اتحاد اور پوری دنیا میں اسلامی تحریک کے احیاء کا ذریعہ نہ بن جائے ۔ اس خوف کے پیش نظر سارا عالم کفر اور انکی ایجنسیاں اس عظیم جہاد کے نتائج کو منطقی انجام تک پہنچنے کے خلاف متحد ہوئیں ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دنیائے اسلام کے مخلص مسلمانوں کی افغان جہاد سے جو توقعات اور تمنائیں تھیں وہ شرمندہ تعبیر نہ ہوسکیں ۔ بد قسمتی سے وہی لوگ جو سرخ سامراج کے خلاف ایک لمبے عرصہ تک میدان جنگ میں صف آراتھے ۔ روسی افواج کے افغانستان سے خائب وخاسر ہونے اور راہ فرار و شکست اختیار کرنے کے بعد آپس میں "تخت کابل" کے حصول کے لئے باہم مشت وگریباں ہوئے وہی اسلحہ وہی توپ و تفنگ جن کا رخ کل مشترکہ دشمن کی طرف تھا ہوس اقتدار کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوا ۔ افغانستان کے لاکھوں شہداء، معذورین کے اعزہ واقارب اور ورثا اپنے ہر قسم کے مصائب ومشکلات کو اس خندہ پیشانی وصبر وشکر سے برداشت کرتے رہے کہ ان کی قربانیوں کے طفیل شریعت مطہرہ سے مالامال ایک اسلامی سلطنت قائم ہوکر ان کی تمام مشکلات وپریشانیوں کا مداوا کریگی مگر ان کی یہ آس یاس میں بدل گئی اور افغانستان سے غاصب لیڑوں کو نکالنے والوں کو نئی مشکل سے دوچار ہونا پڑا ۔ امن کے متلاشی لوگ مزید بدامنی اور جنگ وجدل کا شکار ہوئے ۔ قدم قدم پر روسی لیٹروں اور غاصبوں کی جگہ اپنے ہم وطن راہزنوں نے لی ۔ نفاذ احکام شرعیہ کی بجائے پہلے سے رائج دور الحاد

کے قوانین اور رسوم کو استحکام ودوام دینے کی کوشش کی گئی۔ احترام آدمیت کا مکمل فقدان رہا۔ عورت کی عصمت اور چادروچاردیواری کے تقدس کو اس بے دردی سے پامال کرنے کا سلسلہ شروع ہوا کہ افغان جہاد میں حصہ لینے والے غریب وبے بس افغانی روسی تسلط کے زمانہ میں ارباب اقتدار لوگوں کے دوبارہ اقتدار میں آنے کی دعائیں کرنے لگ گئے۔ کئی قدآور اسلامی شخصیات اور تحریکوں نے آپسمیں خون ریزی کرنے والے رہنماؤں کو ایک جگہ بٹھا کران کے درمیان صلح وآشتی سے رہنے کی باربارکوششیں کیں۔ مگر یہ تمام مساعی "صدابصحراء" سے زیادہ حیثیت حاصل نہ کرسکیں۔ افراتفری کا سلسلہ مزید بڑھتا رہا۔ دنیا کے چپے چپے میں لاکھوں دربدر ٹھوکریں کھانے والے مہاجر جو طویل عرصہ سے اپنے ملک ووطن جانے کیلئے بے چین رہے۔ ان کی واپسی تو درکنار، مزید لاکھوں بے سروسامان افغانی آپس کے خانہ جنگی کے خوف وتباہی سے اپنے ہی وطن سے ہجرت کرنے لگ گئے۔ اور مہاجروں کا نہ تھمنے والا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ بعض اسلامی ممالک جنہوں نے جہاد کے دوران مجاہدین کی مقدور بھرجانی ومالی اعانت اور سرپرستی کی تھی۔ اسلام کے نام پر جہاد کرنے والوں کی آپس میں کشت وخون کا خوفناک کھیل دیکھ کراپنے تعاون پر پچھتانے لگ گئے حتیٰ کہ عالم اسلام کے نامی گرامی علماء وشیوخ جو اس سے پہلے افغانستان کی آزادی کیلئے مرمٹنے کے خواہشمند تھے وہ افغان جہاد کانام تک سننے کے روادار نہ رہے۔ اس ملک کے ساتھ ان کی عقیدت ومحبت، غیظ وغضب اور نفرت میں تبدیل ہوگئی۔ یہی وہ حالات تھے کہ افغانستان کے رہنمایان کے انتشار وافتراق سے فائدہ اٹھاکرہی کمیونسٹ شکست خوردہ عناصر جن کے خلاف افغان عوام نے تن من دھن کی بازی لگادی تھی۔ امۃ مسلمہ کے دشمنوں کے ایماء پر سراٹھاکراقتدار پر دوبارہ قبضہ کیلئے پرتولنے لگ گئے۔ جہاد افغانستان کے علمبرداروں کے اس اندوھناک عمل کے نتیجہ میں مخالفین کو نیا حوصلہ ملا اور انہوں نے دوبارہ صف آراء ہونا شروع کردیا۔

روسی سامراج افغانستان سے راہ فراراختیار کرتے ہوئے اس ترقی یافتہ سائنسی دور کا جدید ترین اسلحہ بھی ڈھیروں کے حساب سے اسی شہیدوں کے مقدس خون سے رنگے ہوئے سرزمین میں چھوڑ گیا۔ جہاد کے موقع پر اپنے آپ کو قائدین کہلوانے والے رہنما فہم وفراست سے کام لیتے تو افغانستان میں دنیا کی ایک حقیقی ومثالی اسلامی حکومت قائم ہوکر یہی جنگی وحربی وسائل نہ صرف افغانستان کے استحکام کا ذریعہ بنتے بلکہ اسی کے ذریعہ کشمیر، بوسنیا، فلسطین اور اسلامی نظام کے احیاء کے لئے سردھڑکی بازی لگانے والی دیگر تحریکوں کو بھی بے پناہ قوت کا باعث بن جاتا۔ مگر ہائے افسوس کہ کابل قصر صدارت وامارت کے حریصوں نے اسی مال غنیمت کواپنے ہی لوگوں کے

خلاف استعمال کر کے لاکھوں افغانیوں کی جانیں ضائع کر دیں ۔ بچے کھچے شاہراہ تباہ اور شہر کھنڈرات میں تبدیل ہوگئے ۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں اور یقیناً اسکی لاٹھی بے آواز ہے ۔ اللہ نے افغان قوم کی آزمائش اور امتحان کا سلسلہ ذرا طویل کرنا تھا مگر ان کے مصائب کی طوالت میں خالق ایزدی کے لاتعداد مصالح پنہاں تھے ۔ جب فسق وفجور، خونریزی بھیمانہ جرائم سفاکی وبربریت کا سیلاب انتہا کو پہونچ چکا تو اللہ نے سولہ لاکھ شہیدوں کے پاک وصاف خون کی لاج رکھنے ، لاکھوں یتیموں ، بیواؤں، زخمیوں کے آہوں دعاؤں کو شرف قبولیت دینے کیلئے اپنے تائیدایزدی سے مظلوم افغانی عوام کے نجات کے لئے ایک جماعت کا انتخاب فرمایا ۔ جن کی تحریک ،" تحریک طالبان" کے نام سے شروع ہوکر مختصر وقت میں افغانستان کے تمام اطراف میں پھیل گئی ۔ یہ قافلہ دینی مدارس میں قال اللہ وقال الرسولؐ کا ذکرو ورد کرنے والے نیک سیرت وفرشتہ صفت پاکبازوں کا ایک چھوٹا سا گروہ تھا، جنہوں نے اپنے امیر حضرت مولانا محمد عمر صاحب کے قیادت میں اللہ کا نام لے کر ملت وقوم کے دشمنوں کے خاتمہ کیلئے علم جہاد بلند کر کے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک جو افغانستان کے صوبہ قندہار سے شروع ہوئی تھی ۔ قلیل مدت میں ہلمند، فراہ سمیت بارہ صوبوں کو اپنی آغوش میں لیکر خالص اسلامی نظام قائم کر دیا ۔

طالبان کوئی غیر انسانی وغیر افغانی یا باہر سے امپورٹ شدہ اجنبی مخلوق نہ تھی بلکہ اسی افغانی قوم کا حصہ اور افغان جہاد میں روس کے خلاف بے جگری سے لڑکر آگ وخون کے دریا سے کندن بن کر نکلے تھے ۔ اپنے قوم کے ساتھ شانہ بشانہ لڑ کر سرخ سیلاب کے مقابلہ میں سد سکندری کی حیثیت سے ثابت قدم رہے ۔ اسی جہاد میں ہر قسم کی مشکلات وطوفانوں سے نمٹنا سیکھا ۔ جدید آلات حرب کے استعمال میں مہارت حاصل کی ۔ نہ کسی نے باہر سے ان کے ملک میں داخل ہوکر ان کو جنگی تربیت دی اور نہ کسی دوسرے ملک میں جاکر ان کو تربیت حاصل کرنے کی ضرورت پڑی ۔ اور نہ ان کو بلاوجہ ملک میں مزید خون کے دریا بہانے کا شوق تھا ۔ روسی درندوں کے فرار کے بعد تو انہی طالبان نے ملکی امور کو اپنے قائدین کے رحم وکرم پر چھوڑ کر حصول علوم دینیہ کیلئے اپنے مدارس ومساجد کا رخ کر لیا تھا ۔

عمائدین احزاب کے فہم وفراست سے عاری اقدامات سے ملک بہتری کی بجائے تباہی کے کنارے پہونچنے کی حالت دیکھ کر یہ طبقہ طلباء دوبارہ اپنا محبوب ترین مشغلہ تعلیم وتعلم چھوڑ کر شکستہ دلی کے ساتھ پھر میدان میں اتر آئے ۔ افغان قوم جن پر مسلسل کئی سالوں سے ظلم کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے رہی سہی کسر اپنوں نے پوری کر دی ۔ طالبان کی تحریک کا سنکر اپنی

پلکیں ان کے راہوں میں بچھانے لگے گئے ۔ اس طبقہ طلباء کی غریب پروری ، حسن سلوک اور امن وشریعت کے تنفیذی عمل کو دیکھ کر افغانستان کے تقریباً سبھی علماء وطلباء جو مختلف احزاب کے ساتھ منسلک تھے ، طالبان کے جھنڈے تلے متحد ومتفق ہوگئے ۔ اور پھر طالبان نے جرات وبہادری کے وہ کارنامے دکھائے کہ اہل مغرب اور اس کے چیلے چانٹوں نے جو پہلے ہی اسلامی تحریکوں سے خوفزدہ تھے ، نے اسلام اور اسکے متوالوں کے خلاف میڈیا کے میدان میں بے پناہ افواہوں اور الزامات کا طوفان برپا کردیا ۔ طالبان چونکہ اللہ کے دین کی سربلندی ، افغانستان کو ایک صحیح اور مکمل اسلامی ملک بنانے ، دنیا کے مظلوم ومغلوب مسلمانوں کے ارمانوں کی تکمیل ، افغان عوام کو اسلحہ کے خوفناک ذخیروں اور اس پر قبضہ کرنے والوں سے نجات جیسے عزائم لے کر اٹھے تھے ، انہوں نے باطل قوتوں کی تمام افواہوں اور سازشوں سے بے پرواہ ہوکر اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھا ۔ جس کا نتیجہ الحمدللہ آج تمام دنیا کے سامنے ہے ۔ افغانستان کا ۲/۳ حصہ جو کہ ۲۳ صوبوں پر مشتمل ہے ۔ بشمول دارالخلافہ کابل ، طالبان کے کنٹرول میں آچکا ہے ۔ اس جدوجہد کے طفیل ان علاقوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کے جن برکات کا مشاہدہ اپنے آنکھوں سے کیا انشاء اللہ اس کا تفصیلی ذکر اگلے قسط میں زیر قلم لانے کی کوشش کروں گا ۔

یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہے کہ افغان جہاد میں جہاں اسلامی دنیا اور پاکستان کے دیندار مسلمانوں کی نظریں خیرالقرون کی جھلک دیکھنے کیلئے افغانستان پر لگی ہوئی تھیں ، اور ہر قسم کی جانی ومالی تعاون سے دریغ نہ کیا ۔ اسی طرح برصغیر پاک وہند کی عظیم دینی یونیورسٹی جامعہ (دارالعلوم حقانیہ) کا بھی اللہ کے فضل سے بہت بڑا حصہ ہے ۔ جہاد شروع ہوتے ہی اس جامعہ کے وہ فضلاء جنہوں نے اپنے روحانی کمانڈر اور مربی حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مضجعہ سے صحاح ستہ میں ابواب الجہاد اور ابواب المغازی پڑھتے وقت خصوصی تربیت حاصل کی تھی اور جہاد کے جذبہ سے مالامال تھے ۔ روس کے مقابلہ میں سبھی محاذوں پر فرنٹ لائن پر رہے اور اس جامعہ کے فضلاء وطلباء کا افغان جہاد کے دوران اہم رول اور سویت یونین کو تاریخ کے صفحات سے مٹانے میں اس کا اہم کردار تاریخ عالم اسلام کے زرین باب کی حیثیت سے قائم ودائم رہے گا ۔ دارالعلوم کے روحانی فرزندگان نے سوویت سامراج کو شکست دینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے ہم وطن درندوں اور اقتدار کے پجاریوں سے افغان ملک وملت کو خالی کرنے کیلئے جب طالبان کمرباندھ کر میدان میں نکلے اسمیں بھی جامعہ حقانیہ کے فضلاء وطلباء سب سے آگے رہے اور آج بھی جن

محاذوں پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں ان کی ایک الگ جھلک بھی آئندہ " سفرافغانستان " کے تذکرہ کے دوران سامنے آئیگی۔

طالبان کے قائدین ومجاہدین بھی جامعہ حقانیہ کو اپنا روحانی تربیتی مرکز سمجھ کر وقتاً فوقتاً یہاں تشریف آوری کے بعد اس ادارہ کے منتظمین اور اپنے اساتذہ کو خدائی فورس کے زیر کنٹرول آزاد اسلامی علاقوں کے دورے کی دعوت دیکر ان مربیوں کے افغان سرزمین آنے کو اپنے لئے عزوافتخار کا سبب سمجھتے ہیں۔ انہی مخلص طالبان ومجاہدین اور تلامذہ کے باربار اصرار پر کئی دفعہ احقر نے اپنے آنکھوں سے رحمتوں کی اس سرزمین کو دیکھنے کا ارادہ کیا مگر مسلسل مصروفیات کی وجہ سے یہ ارادہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

۱۱، ۱۲ ذی الحجہ مطابق ۲۰ اپریل کے درمیانی رات رفیق محترم حضرت مولانا صاحبزادہ فضل الرحیم صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور نے فون پر افغانستان جانے اور وہاں پر طالبان کے قائم کردہ نظام شریعت کا قریب سے مطالعہ کرنے اور اس بابرکت سرزمین کو دیکھنے کا پروگرام بنانے پر اصرار کیا۔ حضرت مولانا موصوف کے ساتھ بچپن سے کچھ اس قسم کا تعلق ہے کہ آج تک جب بھی بیرونی اسفار پر جانے کا اتفاق ہوا۔ مولانا صاحب کی معیت رہی۔ اسی دیرینہ و برادرانہ تعلق کی بناء پر ان کی فرمائش سے انکار نہ کرسکا۔ ہاں کرکے ذہنی طور پر اس مقدس سفر پر جانے کیلئے تیار ہوا۔ حالانکہ ان دنوں پہلے سے موجود بیماری میں اضافہ کیوجہ سے سفر میں اسکے شدت اور بڑھنے کے بھی خطرات تھے۔ مگر اس تصور سے کہ افغانی علماء وطلباء اور مجاہدین کے پاک خون سے رنگین سرزمین کا سفر ایمان کی تازگی اور اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے خواہش کی تقویت کا ذریعہ بنے گا۔ اس بابرکت سفر کو ترتیب دینے کیلئے پشاور میں طالبان ہیڈ آفس جسکو ان کی اصطلاح میں " نمائندگی " کہاجاتا ہے۔ فون کے ذریعہ اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ نمائندگی کے مسئول یا انچارج مولانا عبدالقدیر جو حقانیہ کے فارغ ہیں نے فرط جوش اور خوشی میں کہا کہ اگر آپ لوگ ابھی اسی وقت روانہ ہونا چاہیں تو ہمارے وسائل حاضر ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر خوشی کا موقع ہم روحانی اولاد کیلئے کیا ہوگا۔ کہ ہمارے اساتذہ بنفس نفیس جاکر ہمارے مساعی کا مشاہدہ کرسکیں۔ ان کے ساتھ مشورہ سے یہ طے ہوا کہ ۱۴ ذی الحجہ مطابق ۲۲ اپریل بروز منگل میرے ساتھ علماء کا ایک مختصر سا قافلہ ایک بجے ظہر آپ کے دفتر پہونچ کر وہاں سے جلال آباد کی جانب روانہ ہوگا۔

(جاری ہے)

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ کی ایک اور پیش کش

جلد اوّل

جامعہ دار العلوم حقانیہ کے نائب مہتمم استاذ حدیث و تفسیر حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب کے خطبات اور مواعظ جمعہ کا حسین گلدستہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی ایک جھلک "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِيهِ" کا ایک نمونہ علوم و معارف کا خزینہ مختلف موضوعات پر علمی و دینی اور روح پرور تقاریر کا دلچسپ مرقع "از دل خیزد بر دل ریزد" کا صحیح مصداق، سلاست اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے، خطباء، واعظین، مبلغین

—— اور اصلاحی حلقوں میں یکساں مفید ہے ——

خوشخبری: کتاب شائع ہو گئی ہے!

—— مرتبین ——

- حافظ فضل اللہ جان سواتی
- حافظ سلمان الحق حقانی

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

علمی دنیا کا ایک عظیم خسارہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے موقع پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا خطاب

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین۔

شرکائے مجلس، برادارانِ عزیز اور رفقائے عزیز!

میرے لئے اس وقت بڑی آزمائش کی بات ہے کہ میں اپنے رفیق مخلص، رفیق فاضل، رفیق مکرم، محبوب اور رفیق رفاقت طویلہ بلکہ رفاقت اطول حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ پہلی مرتبہ رحمۃ اللہ علیہ کہنا پڑ رہا ہے بلکہ کہنا ضروری ہے۔ کے متعلق کچھ عرض کروں، یوں تو تعلقات اور روابط کی کثرت، واقفیت کے وسیع میدان اور دینی خدمت کے مختلف انواع واقسام سے تعلق اور ربط ہونے کی وجہ سے مجھے بارہایہ ناخوشگوار فریضہ انجام دینا پڑا ہے اور ہندوستان ہی نہیں مشاہیرعالم اسلامی اور مشاہیر مصلحین اور اہل کمال کے بارے میں اپنے مشاہدات وتاثرات اور ان کے فضل وکمال کا اظہار کیا ہے، لیکن اس وقت جو مجھے آزمائش پیش آرہی ہے اور اس سلسلے میں جو مجاہدہ کرنا ہے اس کو میں بھی جانتا ہوں۔ اس کی خاص طور پر دو وجہیں ہیں۔

ایک تو مولانا کا فضل وکمال، ملت اسلامیہ پر ان کے حقوق واحسانات اور دوسرے میرا وسیع تعلق، یکجا زندگی گذارنا، یکجا رہنا، اس کی مدت تقریباً نصف صدی ہے۔ اس سب کی وجہ سے مجھے اس فرض ادائیگی میں کوتاہی کا اندیشہ ہے، اس کے ساتھ ان دقتوں اور ذمہ داریوں کا احساس بھی ہے جو مجھے متفکر بنائے ہوئے ہے، میں جو کچھ کہوں گا وہ ان کے حق کی ادائیگی نہیں ہوگی بلکہ اپنے فرض کی ادائیگی ہوگی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ فرض کی ادائیگی بڑی مشکل ہوتی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مولانا ان راسخین فی العلم میں تھے جن کی مثال نہیں ملتی، خصوصاً اس علمی انحطاط اور ذہنی انتشار، تحریکوں کی کثرت، مشغولیتوں کی فراوانی اور ان کا تنوع اتنا ہے کہ علم میں رسوخ حاصل کرنا بڑا مشکل ہوگیا ہے، لیکن جو لوگ مولانا سے اجمالی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کریں گے کہ مولانا ہندوستان کے ان منتخب اور مختصر مگر ممتاز علماء میں شامل تھے جنہیں علوم اسلامیہ میں رسوخ حاصل تھا۔ اور یہ معمولی بات نہیں ہے۔

وسعت معلومات وسعت مطالعہ ، تصنف وتالیف کی صلاحیت یہ سب چیزیں بہت عام اور کثرت سے پائی جاتی ہیں ، لیکن علمی رسوخ یہ بہت اونچی بات ہے ۔ اور ایک خاص امتیاز ہے ، میں خدا کے گھر میں بیٹھ کر اس کی شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو حدیث میں ، تفسیر میں ، علم کلام میں ، اور فرق محرفہ و منحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ، ان سے جو غیر معمولی واقفیت اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں ، جن لوگوں نے ان سے ترمذی شریف پڑھی ہے وہ یہاں موجود ہیں وہ اس کی شہادت دیں گے پھر ان کی جو کتابیں ہیں وہ بتاتی ہیں کہ ان کو علم میں کتنا رسوخ حاصل تھا ، پھر زمانہ کی نبض شناسی ، نئی نسلوں کی ضرورت اور ان کی نفسیات اور تقاضوں سے گہری واقفیت اوران کے ذہنوں کی گہرائیوں تک پہونچنا اوران کو متاثر کرنا یہ اپنی جگہ پر ایک کمال ہے ۔ اس کے ساتھ علم میں رسوخ اور اس کو پیش کرنے کی صلاحیت ، انتخاب کی صلاحیت ، ذہنوں کی رعایت ، یہ ایک خاص چیز ہے ، جن لوگوں نے مولانا کی کتابیں پڑھی ہیں ، خاص طور پر ان کی کتاب

" معارف الحدیث " جو اس مسجد میں عصر بعد سنائی جاتی ہے ۔ کم از کم اردو لٹریچر میں یہ بے نظیر کتاب ہے ، جس طرح حدیث وسنت کو پیش کیا گیا ہے ، جس طرح اس سے سبق لینے اور احادیث کے مختلف پہلوؤں اور مخفی گوشوں کو ابھارا گیا ہے وہ بے مثال ہے ۔ ان کی عام فہم اور مقبول عام کتاب " اسلام کیا ہے ؟ " " آپ حج کیسے کریں " " قرآن آپ سے کیا کہتا ہے " " دین وشریعت " وغیرہ ۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو ممتاز ہی نہیں بلکہ منفرد ہیں ، اپنے مقصد ، حسن انتخاب ، حسن تعبیر ، حسن بیان وحسن تفہیم اور ذہنوں کی رعایت کی بناء پر اس کو توفیق الٰہی سے تعبیر کرسکتے ہیں ۔

مولانا نے دیوبند کے چوٹی کے اساتذہ مولانا انور شاہ کشمیری جیسے حضرات سے تعلیم حاصل کی تھی اس لئے ان کو علم میں بڑا رسوخ اور کمال حاصل تھا ۔ ان کا یہ رسوخ آخر عمر تک باقی رہا ، ہمارے مشاہدے اور علم میں یہ بات ہے کہ بعض حضرات کو ابتدائی دور میں رسوخ فی العلم حاصل ہوتا ہے ۔ لیکن جوں جوں ان کی مشغولیتیں بڑھتی جاتی ہیں ، زندگی کے تقاضے ، راحت وآرام اور خانگی زندگی کے مطالبات بڑھتے ہیں ، دینی وملی اور سیاسی جدوجہد میں حصہ لینا پڑتا ہے ان سے متاثر ہوکر بلکہ ان سے دب کر وہ ایسے ہوجاتے ہیں کہ صحیح عبارت کا پڑھنا بھی ان کے لئے مشکل

ہوجاتا ہے ، لیکن مولانا کا رسوخ فی العلم آخر تک باقی رہا جو بہت کمیاب بلکہ نادر بات ہے ، یہ نتیجہ ہے ان کے والدین کے حسن نیت ، ان کے اساتذہ کرام کی للہیت وخلوص اور ربانیت کا ۔ پھر مولانا کی محنت وخلوص اور مسلسل علمی اشتغال کا ، کہ ان کا تعلق علم سے برابر قائم رہا ، آخر تک علمی رسوخ وپختگی باقی رہی ، اس کا میں عینی شاہد ہوں اور قریب ترین رفیق کی حیثیت سے مجھے خود اس کا تجربہ ہے ۔

مولانا کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی حمیت دینی ہے ۔ ایک ہے حمایت ، دوسری چیز ہے حمیت ، حمایت میں وہ اندرونی جذبہ اور دل سوزی نہیں ہوتی اور وہ دل کی تپش اور ذہن کی خلش اور وہ اضطراب وبے چینی نہیں ہوتی جو حمیت میں ہوتی ہے ۔ حالانکہ حروف دونوں کے متقارب ہیں ، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حمیت دینی کا جوجوہر عطا فرمایا تھا وہ کم لوگوں کو ملتا ہے ، ہوسکتا ہے دینداری ، عبادت گذاری ، تہجد اور شب بیداری اور ذکر وشغل میں دوسرے لوگ بڑھے ہوئے ہوں ، لیکن دینی غیرت وحمیت کی دولت ونعمت سے مولانا مالامال تھے ۔ حمیت یہ ہے کہ دل میں آگ سی لگ جائے ، سوزش پیدا ہوجائے ، کہ یہ کیا ہورہا ہے کیا خطرات درپیش ہیں مسلمانوں کی آبادی کا کیا حشر ہوگا خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کا انجام کیا ہوگا ۔ وہ کس روش پر چلے گا ، تقسیم کے بعد مسلمانوں کے یہاں رہنے کے سلسلہ میں بہت سے حضرات کے ذہنوں میں بات واضح نہیں تھی کہ مسلمان اب کیسے رہیں گے لیکن مولانا کا ذہن بہت واضح تھا اور ان کے سامنے کام کا پورا نقشہ بنا ہوا تھا یہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حمیت جیسی نعمت سے نوازا تھا ۔ یہ ایک نفسیاتی نقطہ اور تجربہ کی بات ہے کہ حمیت بھی ہمیشہ یکساں باقی نہیں رہتی ، اس لئے کہ علم جتنا بڑھتا اور معلومات وتجربات میں جتنی وسعت ہوتی جاتی ہے حمیت میں اس اعتبار سے کمی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ احساس ہی ختم ہوجاتا ہے جو لوگ عجائب گھر اور میوزیم دیکھتے رہتے ہیں ان کے اندر استعجاب کا مادہ باقی نہیں رہتا وہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سب چیزیں یکساں ہیں ۔ لیکن میں عینی شاہد کی حیثیت سے گواہی دیتا ہوں کہ اپنے وسیع علم ومطالعہ اور مشاہدہ کے ساتھ مولانا کے اندر دینی حمیت وغیرت بھری ہوئی تھی میں نے مولانا کو سب سے پہلے دارالمبلغین میں مولانا عبدالشکور صاحب کی پاس دیکھا اس کے بعد سے تعارف اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔

جب میری کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ شائع ہوئی تو ہم نے جن خاص خاص لوگوں کو

کتاب بھیجی ان میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بھی تھے ، مولانا نے کتاب ملنے کے بعد جو خط لکھا اس میں انہوں نے تحریر کیا کہ یہاں جو وقت ڈاک کا ہوتا ہے وہی کھانے کا ہوتا ہے ۔ آپ کی کتاب آئی تو میں اس میں اتنا مشغول ہوگیا کہ میرے لئے کھانا کھانا مشکل ہوگیا میں اس سے بہت متاثر ہوا ، اس زمانہ میں ہندوستان میں ایک نئی تحریک چلی تھی جس کے بانی علامہ مشرقی تھے جو نام کے تو مشرقی تھے لیکن ذہنی وفکری لحاظ سے علامہ مغربی تھے ۔ وہ خاکسار تحریک تھی جو اس دور کی خطرناک ترین تحریک تھی ۔ اس وقت ہندوستان میں تحریکوں کا دور تھا ، اس تحریک نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں زیادہ مقبولیت حاصل کی اور ایک طوفان کی طرح پھیل گئی ، مولانا کو غالباً سب سے پہلے اس کا احساس ہوا کہ اگر یہ تحریک پھیلنے میں کامیابی ہوجاتی ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے اس کا رابطہ ہوجاتا ہے تو پھر ایمانی ربط جس میں غیرت اسلامی بھی ہو باقی نہیں رہے گا ۔ معروف ومنکر اور کفروایمان میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا ۔ اس لئے کہ اس کے جو مقاصد تھے وہ زیادہ تر سیاسی و تنظیمی مقاصد تھے ۔ مولانا اس وقت رائے بریلی تشریف لائے اورانہوں نے مجھے آمادہ کیا کہ میں اس کی ذمہ داری قبول کروں کہ ایک جماعت بنائیں اور تحریک چلائیں اور اس کی قیادت وترجمانی کروں ۔ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ کام اس شخص کے سپرد کرنا چاہئیے جو انگریزی پر پوری قدرت رکھتا ہو، انگریزی میں تقریر کرسکے ، بیان دے سکےاور اخبارات میں مضامین لکھ سکے ۔ انہوں نے کہا کہ کون ہے ؟ تو میں نے اپنے پیر بھائی حاجی عبدالواحد کا مشورہ دیا جو انگریزوں کے دور میں پورے پنجاب میں ایم اے انگریزی میں فرسٹ ڈویژن پاس ہوئے تھے۔ ان دنوں وہ فورٹ سنڈیمن میں تھے ۔ چنانچہ ہم رائے بریلی سے اور مولانا بریلی سے پنجاب میل میں سوار ہوکر لاہور پہونچے اس زمانہ میں مولانا مودودی سے ہم لوگوں نے ملاقات کی ، پھر حاجی عبدالواحد سے ملنے فورٹ سنڈیمن گئے جو کوئٹہ سے آگے تھا اور درہ بولان ہوکرراستہ جاتا تھا ۔ ہم تینوں نے مشورہ کیا ، پھر طے ہوا کہ اپنی جماعت بنانے سے پہلے ان دینی ودعوتی مراکز اور خانقاہوں کا دورہ کرنا چاہئے جہاں کام ہورہے ہیں ۔ چنانچہ ہم لوگ سہارنپور ہوتے ہوئے رائے پور پہونچے ۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کے مشورے پر ہم لوگ مرکز نظام الدین آئے ، وہاں تبلیغی جماعت کے نظام کو بچشم خود دیکھا ۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے ملاقاتیں کیں ، بالآخر ہم نے اپنی صلاحیتیں اس جماعت کی نصرت وحمایت اور استحکام کے لئے وقف کردیں ، ہم دونوں ساتھ رہے ، بڑے بڑے اجتماعات میں شریک ہوئے ، پورے ملک کا سفر کیا ، باہر بھی گئے ۔ جہاں تک تبلیغی جماعت کی افادیت اور ضرورت کا تعلق ہے تو اس میں

شک نہیں کہ جو کچھ ہم سے تعاون ہوسکتا تھا وہ ہم نے کیا۔

جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا تقسیم ہند کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے یہاں دینی وجود کے متعلق جتنا مولانا کا ذہن صاف اور واضح تھا اتنا کسی بڑے سے بڑے عالم کا نہیں تھا۔ مولانا نے یہاں کے جو حالات سمجھے اور خطرات اور اندیشوں کا ادراک کرلیا وہ مولانا ہی کا حصہ تھا۔

راوڑکیلا اور جمشید پور کے بھیانک فسادات میں پانچ ہزار مسلمان مارے گئے تھے۔ کھیتوں اور گھروں کے اندر مسلمانوں کے سر تربوز اور خربوزے کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ خون کی چھینٹیں دیواروں پر لگی ہوئی تھیں، مولانا نے سب سے پہلے ان علاقوں کا دورہ کیا، انہوں نے مجھے آمادہ کیا کہ تم جاکر دیکھ آؤ، چنانچہ میں مولانا ابوالعرفان خان صاحب مرحوم کے ساتھ وہاں گیا۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں سے ملاقاتیں کیں، لوگوں کی رائے ہوئی کہ کوئی تنظیم قائم ہونی چاہئیے تاکہ ملت کے دین اور تہذیب کی حفاظت کی تدبیر کی جائے اور اس ملک کو اسپین بنانے سے بچایا جائے، چنانچہ مسلم مجلس مشاورت کی تجویز ہوئی، اس کے بڑے محرک اور داعی ڈاکٹر سید محمود تھے، ہم اور مولانا اس میں شریک ہوئے پھر کرناٹک وغیرہ کے سفر ہوئے۔

مولانا کا امتیازی وصف جو کم علماء کو نصیب ہوا ہے۔ وہ فرق محرفہ و منحرفہ سے گہری واقفیت اور ان کے خطرات ونقصانات کا احساس وادراک ہے کون کون فرق محرفہ ہیں اور کون کون غیر محرفہ ان فرقوں کے مقابلے کے لئے محاذ بنانا اور اس کو اپنا فرض سمجھنا جتنا مولانا نے اس میدان میں کیا اتنا شاید مولانا مرتضیٰ چاند پوری نے کیاہو، میرے سامنے ان کا پورا کام نہیں ہے، مولانا سید محمد علی مونگیری نے قادیانیت کا مقابلہ کیا جب تک مناظرہ ہوتا رہا مولانا سید محمد علی مونگیری سجدے میں پڑے رہے جب ان کو شکست فاش ہوئی اور جوتے چھوڑ چھوٹے کر بھاگے تو مولانا نے سجدے سے سر اٹھایا۔

قادیانی ہوں یا بریلوی ان سب کا مقابلہ مولانا نعمانی نے جتنا کیا اتنا شاید ہی کسی نے کیا، مولانا زبردست مناظر تھے وہ فرق باطلہ اور فرق محرفہ کی کتابوں سے بہت گہری واقفیت تھے اور انکی عبارتوں کے حافظ تھے۔ وہ اس طرح عبارت زبانی سناتے کہ جیسے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں اس درجہ مولانا کا استحضار اور حافظہ قوی تھا کہ اس میں مولانا کا کوئی شریک نہیں۔ مولانا نے شرک وبدعات کا جم کر مقابلہ کیا، ہندوستان کے مسلمانوں کو شرک کے اثرات سے بچایا، بدعقیدگی، اشراک باللہ، عبادت قبور، استعانت لغیراللہ، استغاثہ لغیراللہ سے بچایا، ہندوستان جیسے ملک میں یہ کام بڑا

خطرناک اور نزاکتوں سے بھرا ہوا تھا۔ عالم عربی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور مصر و شام میں شیخ حسن البناء اور دوسرے علماء اٹھے اور انہوں نے کام کیا۔ لیکن ہندوستان میں کماً و کیفاً جتنا کام مولانا نے کیا وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا، ہوسکتا ہے اور کسی کا کام ہو جو ہمارے علم میں نہیں۔

۱۹۵۱ء میں لکھنو میں تبلیغی مرکز کی عمارت بنی، ہم دونوں کے ایک مخلص نے اس کی تعمیر اس انداز سے کی کہ ہم دونوں یہاں ساتھ رہ سکیں۔ مولانا اس وقت بلوچ پورہ میں رہتے تھے۔ مرکز میں ہم دونوں منتقل ہوگئے، پھر تو شب و روز کا ساتھ ہونے لگا۔ ناشتہ بھی ساتھ، کھانا بھی ساتھ، نمازوں میں بھی ساتھ، خطاب اور سفروں میں بھی رفاقت رہی۔ مولانا کی ربانی فراست دینی واخلاقی صفات، ذہنی کمالات اور تصنیفی سرگرمیاں سب کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت کام لیا۔ حضرت رائے پوری سے بعیت کا تعلق تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ کیا لائے، تو میں دو آدمیوں کا نام لوں گا۔ تو پہلا نام مولانا منظور صاحب نعمانی کا لیا۔

ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے متضاد صفات وصلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں، جن کے اندر تضاد تو نہیں لیکن عملاً تضاد معلوم ہوتا ہے، کسی کو علمی اشتغال ہوتا ہے تو دعوت کے کام میں لگنا مشکل ہوتا ہے۔ کوئی دعوت میں لگتا ہے تو اس کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہم سے ایسے لوگ ملتے ہیں جو بڑے داعی ہیں، لیکن مہینوں ہوجاتے ہیں کہ ان کو کتاب دیکھنے کی نوبت نہیں آتی، لیکن مولانا نے دونوں کو جمع کر رکھا تھا۔

مولانا اگرچہ دیوبند کے فاضل اور اس کی مجلس منتظمہ کے رکن تھے، لیکن اس کے ساتھ ندوۃ العلماء کی تحریک سے بھی اور ندوۃ العلماء کے ادارے سے بھی ان کا مخلصانہ تعلق رہا ہے۔ انہوں نے یہاں کے ذمہ داروں کی درخواست بلکہ اصرار پر حدیث کی تدریس کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ طلبہ نے ان سے فائدہ اٹھایا، ندوۃ العلماء کی انتظامیہ کے طویل عرصہ تک رکن رہے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام آباد کے بنیادی رکن تھے اس کی سرپرستی اور قلبی تعلق برابر باقی رہا، سنا ہے کہ اس بیماری میں جب ہوش وحواس بجا تھے، کوئی عیادت کے لیے گیا تو انہوں نے کہا کہ "جی چاہتا ہے کہ ندوہ جاؤں۔ ...."

مولانا نے نازک وقتوں میں اپنی اصابت رائے اور تجربات سے ندوہ کوفائدہ پہونچایا۔ ندوہ کا جب پچاسی سالہ جشن ہونے والا تھا تو ہمیں فکر تھی کہ اس کی صدارات کے لیے کون موزوں

شخصیت ہوگی ، تو مولانا نے جب کہ ہم دونوں رابطہ کے اجلاس (۱) میں شرکت کے لئے گئے تھے ، حج کا زمانہ بھی تھا ۔ شیخ الازہر الامام الاکبر عبدالحلیم محمود کی رائے دی جو صوفی منش تھے اور متشرع قسم کے تھے ۔

میرے عزیزو ! اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کے طور پر اور اس زمانے کے حالات کو دیکھ کر نعمت نیز کرامات کے طور مولانا کا وجود تھا، اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ کام لیا جو اجتماعی جگہوں پر بہت کم کیئے جاتے ہیں ، تصنیف کرنے والے دعوت سے گریز کرتے ہیں ، جلسوں میں تقریر کرنے والے کے لئے تصنیف مشکل ہے ، اس لیے کہ وہ یکسوئی کی طالب ہے ، بقدر ضرورت دینی وملی کاموں میں اور سیاسی جدوجہد میں بھی حصہ لینا ضروری ہوتا ہے ، تعمیری سیاست کے ذریعہ ملت کے تحفظ میں حصہ لینا ضروری ہوتا ہے ، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے یہ جامعیت عطافرمائی ۔

مولانا نے تمام سرگرمیوں کے ساتھ رسالہ " الفرقان " نکالا جو برصغیر کا نہ صرف ایک ممتاز دینی ودعوتی ماہنامہ تھا بلکہ وہ ایک ایسا مکتبہ خیال اور مدرسہ فکر تھا جس سے لوگوں کو ذہنی وفکری رہنمائی ہوتی تھی ، توحید خالص اور سنت صحیحہ کا پیغام ملتا تھا ، ملی ودینی شعور بیدار ہوتا تھا ۔

عزیزو ! مولانا کی وفات ملت کا ایک عظیم خسارہ ہے ، پھر ان کی معذوری جس کی مدت مہینوں سے متجاویز ہوچکی تھی وہ ملت کا نقصان تھا، مولانا کی وفات سے ملت کا ایک بڑا سرچشمہ قوت بند ہوگیا ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے ان کے کارناموں کو زندہ رکھے اور ان کی تصنیفات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے ، میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ آپ مولانا کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور ان کے لیے دعائے خیر کریں ، انشاء اللہ اس سے آپ کے علم میں برکت ہوگی ۔ (بشکریہ تعمیر حیات)

عالمی تبلیغی جماعت کے رہنما اور عظیم مبلغ حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری کی رحلت کی اطلاع اس وقت موصول ہوئی جب پرچہ تیار ہوکر طباعت کے آخری مراحل میں تھا ۔ دارالعلوم حقانیہ کے تمام طلباء ، اساتذہ کیلئے یہ صدمہ جانکاہ ناقابل برداشت ہے ۔ اس پرفتن دور میں حضرت مولانا کا دارفانی سے رخصت ہونا نہ صرف تبلیغی حضرات بلکہ عالم اسلام کیلئے بہت بڑا صدمہ اور ناقابل تلافی خلاء ہے ۔ رب العزت مرحوم کے مساعی کو قبول فرماکر پوری دنیا کو اسلام کے ثمرات سے منور فرمادیں ۔ (آمین)
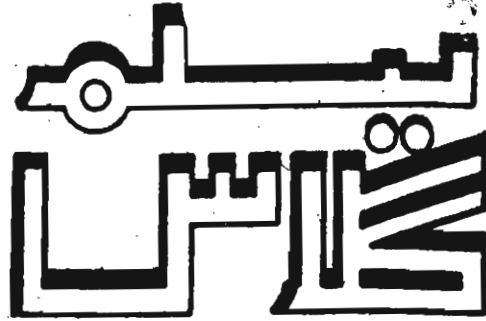
از : حافظ نثار احمد الحسینی (حضرو)

عالم اسلام کی مشہور اور روحانی شخصیت
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ
حیات اور خدمات کا مختصر تذکرہ

۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مئی ۱۹۹۷ء عالم اسلام نے اس خبر کو نہایت افسوس سے سنا کہ ممتاز عالم دین مصنف محدث اور مفسر اکابر دیوبندؒ سے آخری نشانی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نوراللہ تعالیٰ مرقدہ وصال فرماگئے۔

حضرت قاضی صاحبؒ اکابر دیوبند میں منفرد شان کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، شارح حدیث، محقق مؤرخ پیر طریقت سب کچھ تھے۔ وہ اکابر کے علمی اور روحانی کمالات کے پرتو اوران کے مزاج کے صحیح حامل تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت قاضی صاحبؒ کا خاندان صدیوں سے علوم دینیہ کی خدمت میں مشہور ہے۔ آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت بازگل مرحوم حضرت سید گیسودرازؒ کی اولاد سے تھے۔ حضرت بازگل مرحوم حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ جہاد میں شامل تھے۔ سقوط بالاکوٹ کے بعد ہزارہ سے نقل مکانی کرکے پنجاب کے مشہور علمی خطہ علاقہ چھچھ کے موضع شمس آباد تشریف لے آئے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے دادا قاضی نادر دینؒ اپنے وقت میں پنجاب کے مشہور شاعر اور مصلح دین تھے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے والد حضرت مولانا مفتی قاضی غلام جیلانیؒ مرحوم برصغیر کے محقق علماء میں سے تھے۔ مناظر اور صاحب قلم عالم دین تھے۔ پچاس کے قریب علمی اور اصلاحی کتب کے مصنف تھے۔ شہید بالاکوٹ سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ حضرت مولانا کرامت علی جونپوریؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالاولؒ نے آپ کی خدمات دینیہ کے اعتراف میں آپ

کو محی الدین کا خطاب دیا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا سراج الدینؒ سے مجازطریقت تھے۔ آپ نے فتنی قادیان مرزاقادیانی کا مقابلہ تحریروتقریر، مناظرہ ہرمیدان میں کیا۔ "تیغ غلام جیلانی گردن قادیانی" آپ کی مشہور لاجواب تصنف ہے۔ جس نے علمی دنیا میں خراج تحسین حاصل کرنے کے علاوہ مرزا کی جھوٹی نبوت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ بنگال میں مرزائیوں کی کثرت تھی ایک عرصہ وہاں گزارکر مرزائیوں کا زور توڑا۔ آپ فقیہہ النفس کے مقام پر فائز تھے۔ ۱۹۲۸ء میں وصال فرمایا اور اپنے آبائی گاؤں شمس آباد مدفون ہوئے۔

حضرت قاضی محمد زاہدالحسینی رحمۃ اللہ علیہ اس علمی اور روحانی گھرانہ میں ۲ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ مطابق یکم فروری ۱۹۱۳ء بروزہفتہ کو پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اور ابتدائی عربی فارسی میں تعلیم گھرمیں ہی حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء شمس آباد سے مڈل پاس کیا۔ ۱۹۲۸ء میں جب آپ منیۃ المصلی اور ہدایت النحو وغیرہ ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

بچپنے کا یہ داغ یتیمی آپ کے شوق اور حصول علم کی محبت کو کم نہ کرسکا۔ آپ ذوق وشوق سے علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مگن رہے۔ اس وقت علاقہ چھچھ علمائے ربانیین کا مرکز تھا۔ آپ شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالرحمنؒ حمیدی، مولانا عبدالحی لکھویؒ کے فیض یافتہ مولانا سعید الدین اور مولانا عبداللہ جان موضع جلالیہ جیسے باکمال علمائے دین کے فیوضات سے مستفید ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے ۱۹۳۰ء میں برصغیر کی مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم مظاہرعلوم سہارنپور تشریف لے گئے وہاں آپ نے مولانا سراج احمد رشیدی، مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا مفتی ظہورالحقؒ، مولانا ظریف احمدؒ مولانا فیض الحسنؒ اور مولانا عبداللہ ہزارویؒ جیسے جیداساتذہ کے فیوضات علمیہ سے استفادہ فرمایا۔ بعد ازاں آپ محدث العصر مولانا محمدانورشاہ کاشمیریؒ سے استفادہ کیلئے ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں آپ نے بخاری شریف کا سماع حضرت شاہ صاحبؒ سے کیا۔ علاوہ ازیں مولانا بدرعالم میرٹھیؒ، مولانا محمدادریس سکھروی وغیرہ سے درس نظامی کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران آپ نے مولانا محمد حسینؒ (حضرو) سے فلسفہ کی مشہور کتاب "صدرا" پڑھی جس کا ترجمہ اور تشریح البدرالحل الصدرا کے نام سے لکھی جو ۱۹۳۶ء میں طبع ہوکر علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کرچکی ہے۔ دورطالب علمی میں یہ آپ کا گراں قدر علمی کارنامہ ہے۔ جس سے آپ کی علمی استعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے اس کتاب پر اپنی تقریظ میں فرمایا!

" یہ کتاب خدا کے فضل وکرم اور مؤلف کی عرق ریزی اور کمالات علمیہ کی وجہ سے مستقل کتاب اور صدرا کی شرح بن گئی ہے ۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ اس کتاب سے شائقین علوم عقلیہ کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا ۔"

آپ کے والد گرامی کی خواہش تھی کہ آپ ایشیا کی مشہور دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند سے مستفیض ہوں ۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کیلئے داخلہ لیا ۔ دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پراس وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمدمدنیؒ جلوہ افروز تھے ۔ آپ نے بخاری اور ترمذی حضرت مدنیؒ سے پڑھی ۔ حضرت مدنیؒ کی اردو تقریر کو آپ دوران سبق ہی عربی میں قلمبند فرماتے رہے ۔ مسلم شریف مولانا رسول خان ہزارویؒ سے ، ابوداؤد شریف مولانا میاں اصغر حسینؒ سے ، طحاوی شریف مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ سے ، شمائل ترمذی مولانا اعزاز علیؒ سے ، موطاامام محمد مفتی محمد شفیعؒ سے ، موطاامام مالک مفتی ریاض الدینؒ سے اور مولانا قاری عتیق الرحمن سے پارہ عم کی مشق فرمائی ۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے ان یگانہ روزگار مقربین بارگاہ صمدیت سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا ۔ یہ حضرات علم وتقویٰ میں اپنے وقت کے امام تھے ، جنکی تربیت باطنی نے آپ کی اوصاف ، جمیدہ کو نکھیرا۔

کیا فیض تھا کہ پڑگئی جس پر بھی اک نظر
رشک جنید، شبلی ومنصور ہوگیا

آپ کے دورطالب علمی میں ایک مرتبہ مشہور شاعر مولانا ظفرعلی خان دارالعلوم دیوبند تشریف لائے دارالحدیث میں ان کے اعزازمیں تقریب استقبالیہ منعقد ہوئی ۔ اساتذہ اور طلباء نے مولانا ظفرعلی خان کو نظماً اور نثراً خوش آمدید کہا ۔ اس موقع پر علمائے دیوبند کی شان میں آپ نے ایک نظم کہی جس میں مرزاقادیانی کے خلاف اکابردیوبندؒ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :

انہی کی ذات اقدس سے بشیرالدین نالاں ہے

اس نظم سے متاثر ہوکر مولانا ظفرعلی خان نے فی البدیہ دیوبند کی شان میں مشہور نظم کہی جسکا پہلا شعر مندرجہ ذیل ہے :

شاد باد وشاد زی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا پرچم بلند

صوفیانہ مسلک :۔

قیام سہارنپور کے زمانہ میں حضرت مدنیؒ سے عقیدت پیدا ہوگئی جو بالآخر حضرت مدنیؒ کے دامن فیض سے وابستگی کا سبب بنی ۔ حضرت قاضی صاحبؒ خود اسکی تفصیل میں فرماتے ہیں :

" حضرت (مدنیؒ) کانگرس یا جمعیت العلماء کی دعوت پر سہارنپور تشریف لاتے اور فرودگاہ میں تقریر فرماتے ۔ اسی وقت سے آئینہ دل میں حضرت کا نقش اسی طرح ثبت ہوگیا کہ آج تک باقی ہے ، اور انشاء اللہ باقی رہے گا ۔ مگر زیادہ قرب دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کے داخلہ پر نصیب ہوا ۔ کئی بار (بیعت) درخواست کی مگر یہی جواب ملا کہ استخارہ کرلیا جائے ۔ ایک رات سید دوعالم جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیعت کا حکم ملا ۔ وہ پوری خواب لکھ کر ارسال کردی تو جواب فرمایا کہ ملاقات پر انشاء اللہ بیعت کرلی جائے گی ۔ آخر وہ سعادت آفرین گھڑی آگئی کہ مورخہ ۲۶ شعبان ۵۵ ھ / ۱۲ نومبر ۳۶ء بروز جمعرات نماز مغرب کے بعد اسی مسجد میں چند دیگر سعادت مندوں کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل ہوگیا ۔"

تمہیں سے پاؤں گا یہ نعمت دنیا ودیں ساقی
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

کہیں ملاقاتوں اور کہیں خط وکتابت سے منازل سلوک طے ہوتی رہیں ۔ تسبیحات ، اذکار ، اشغال اور مراقبات کی تکمیل کے بعد آپ کی باطنی ترقیات اور ازلی سعادت مندی تھی کہ حضرت مدنیؒ نے سلسلہ چشتیہ کے اذکار واشغال کی تلقین کی اجازت عنایت فرمادی ۔

اس سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشند خدائے بخشندہ

۱۹۳۶ء میں جب آپ حضرت مدنیؒ کی زیارت کیلئے دیوبند تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی پر حضرت مدنیؒ نے حضرت لاہوریؒ کے نام آپ کو دستی رقعہ عنایت فرمایا ۔ جس میں آپ کے متعلق بھی ایک جملہ لکھا " علمی اور عملی حالت ماشاء اللہ قابل اطمینان ہے " ۔ اب حضرت لاہوریؒ کے ہاں بھی آپ کا آنا جانا شروع ہوگیا ۔ ۱۹۳۹ء میں جب آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کو جارہے تھے تو حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دی ۔ حضرت لاہوریؒ نے آپ کو اپنے قلمی دستخطوں سے مزین اپنا ترجمہ قرآن پاک عنایت فرمایا ، یہ محض ایک تحفہ نہ تھا بلکہ حضرت لاہوریؒ نے آپ بقول آپ کے اپنا فیض قرآنی آپ کو منتقل فرمادیا ۔ ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کے

وصال کے بعد حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری زیادہ ہوگئی۔ ۱۹۶۱ء میں حضرت لاہوریؒ ایبٹ آباد تشریف لائے تو ازخود فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ سلسلہ قادریہ میں آپ کی تکمیل کرادوں۔ ابتدائی اسباق بھی تلقین فرمائے۔ اس سال ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء ایبٹ آباد تشریف آوری پر آپ کو اجازت بیعت سے نوازتے ہوئے اپنا مجاز فرمایا۔

حضرت لاہوریؒ آپ سے انتہائی محبت اور غایت درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ آپ کی تصنیف معارف القرآن کی تقریظ میں حضرت لاہوریؒ نے لکھا "محترم المقام حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب موجودہ دور کے ان علماء کرام میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم و فضل سے کتاب و سنت کے سمجھنے کے لئے خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے۔"

اب تک ہزارہا لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، بے شمار سینے اللہ تعالیٰ کی محبت سے گرمائے گئے۔ ہزارہا گھروں اور خاندانوں میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی ضربیں لگ رہی ہیں۔ مسجد کا منہ نہ دیکھنے والوں سے آج تہجد بھی قضا نہیں ہوتی۔

سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے
رہے کارنگ عالم میں یہی تا یوم دیں ساقی

تدریسی خدمات :-

۱۹۳۲ء میں جب آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر اپنے آبائی گاؤں شمس آباد تشریف لائے تو گاؤں میں "مدرسہ محمدیہ" کی بنیاد رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے افہام و تفہیم اور فصاحت و بلاغت کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عظیم علمی خوبیوں والدین کی دعاؤں اور اساتذہ کی شفقتوں کی برکت سے طلباء دور دور سے آتے تھے۔ یہاں آپ نے بخاری سے لیکر کافیہ تک علوم و فنون کی تمام کتب پڑھائیں۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ علاقہ کی مذہبی ضروریات کا خیال رکھا۔ باطل کا مقابلہ بھی فرمایا۔ ۱۹۳۵ء میں کامرہ میں مشہور شیعہ مناظر شیر احمد فاضل لکھنو کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صداقت پر مناظرہ کیا۔ اور اسے شکست فاش دی۔ ۱۹۴۱ء میں امام الادب مولانا اعزاز علیؒ کے فرمانے پر ڈالوال ضلع جہلم تشریف لے گئے۔ وہاں قادیانیوں کی کثرت تھی خوب کام کا موقع ملا۔ ۱۹۴۹ء میں اٹک تشریف لائے۔ جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیئے اسی دوران جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں بطور صدر مدرس بخاری شریف اور ترمذی پڑھائی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ارشاد پر ۱۹۵۱ء میں بطور عربی اور اسلامیات پروفیسر کالج میں آگئے۔ یہاں

آپ کی برکات سے پروفیسر صاحبان اور نوجوان طبقہ میں دین کے جو اثرات پھیلے اور عقائد کی اصلاح ہوئی، اسکی بہار آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں آپ اٹک کالج سے ریٹائرڈ ہوئے کالج کے زمانہ میں ہی ۱۹۵۱ء میں آپ نے مدینہ مسجد کی بنیاد رکھ دی تھی۔ کالج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد زندگی کی آخری ساعتوں تک یہی مدینہ مسجد میں علوم اسلامیہ کی نشرواشاعت اور تصوف وسلوک کی خدمت اور مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی۔

درس قرآن مجید سے خصوصی شغف :-

اللہ تعالیٰ نے اکابر دیوبند سے دین کے ہر شعبہ میں جو کام لیئے ہیں۔ ان میں ایک امت محمدیہ صاحبھاالتحیۃ والسلام کو قرآن پاک کے قریب کرنا بھی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سندھیؒ اور حضرت لاہوریؒ نے تراجم قرآن پاک اور درس قرآن مجید کے ذریعہ امت مسلمہ کی جو اصلاح کی ہے عالم اسلام میں اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کو بھی یہ ذوق اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا تھا۔ تصنیف وتدریس اور ہر اعتبار سے علوم قرآنیہ کی خدمت کی۔ بیس (۲۰) کے قریب مختلف قرآنی اسالیب پر دقیع علمی کتابیں لکھیں اور "حیات مستعار" میں جہاں بھی رہے درس قرآن مجید کا ناغہ نہیں فرمایا۔ بلکہ ایبٹ آباد کے زمانہ میں تو دن میں تین تین مقامات پر عرصہ تک درس دیتے رہے۔ شمس آباد، ڈلوال، ایبٹ آباد، کوہاٹ، تربیلہ، نوشہرہ، سنجوال، پشاور، لارنسپور کامرہ، واہ کینٹ اور اٹک وغیرہ کے درودیوار آج بھی آپ کے زمزمہ ہائے قرآن کے گواہ ہیں۔ واہ کینٹ میں ۱۹۴۶ء تا ۱۹۹۷ء ۳۳ سال پابندی سے درس قرآن مجید دیا۔ یہاں تک کہ اس عرصہ میں ایک درس کا ناغہ بھی نہیں ہوا۔ یہ درس ۲۸ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔

تنظیمی اور ملی خدمات :-

علمائے عصر میں اکابر دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان بخشی ہے کہ انہوں نے معاشرہ کی ہروقتی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے رہنمائی فرمائی۔ درس وتدریس، دعوت اور ارشاد تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ اگر سیاست میں ضرورت ہوتی تو سیاست میں حصہ بھی لیتے۔ اگر میدان جہاد نے تقاضا کیا تو تلوار اٹھاکر امت مسلمہ کے مسائل کے دوش بدوش چلے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کو بھی یہ ذوق اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کی مصروفیات اگرچہ زیادہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور ذکروتصوف میں رہی، مگر آپ نے وقت کے اہم مسائل

میں مسلمانوں کی ہر ضرورت کا ساتھ دیا۔ جب ۱۹۳۲ء میں آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر گھر آئے تو علاقہ کے علماء اگر چہ کام کر رہے تھے مگر کوئی تنظیم اور جماعت نہ تھی۔ جمعیت علمائے ہند کی طرز پر جمعیت علمائے اٹک کی بنیاد رکھی۔ جس نے گراں قدر دینی خدمات انجام دیں بعض مذہبی مسائل پر علماء کی اختلاف رائے کیوجہ سے مذہبی انتشار پیدا ہوجاتا تھا۔ آپ نے علاقہ کے علماء کو تنقیح فتویٰ کے نام سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

۱۹۴۷ء میں پہلی موثر اسلامی کانفرنس جو نواب زادہ لیاقت علی خان کے زیر صدارت ہوئی۔ آپ نے بھر پور حصہ لیا۔ پاکستان میں سعودیہ کے مشہور سفیر عبدالحمید الخطیبؒ کے ساتھ مل کر پاکستان کے کئے ملکی اور ملی مسائل کا حل کیا۔

پاکستان کے پہلے آئین کی تدوین میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۹ء میں نیشنل اسلامک اقتصادی کانفرنس میں شرکت کی۔ پاکستان میں اہل سنت کے حقوق کے تحفظ کیلئے بنائی جانیوالی جماعت تنظیم اہل سنت" کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

۱۹۴۷ء سے پہلے لکھنو سے نکلنے والے ایک ہفت روزہ " نیام اسلام" کیلئے بحثیت مدیر اعلیٰ کے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۳ء اٹک سے ایک ہفت روزہ " آذان" جاری کیا جو ۱۹۵۴ء تک جاری رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ماہنامہ " الارشاد" جاری کیا جو ۱۹۸۱ء تک جاری رہا۔ وقتی سیاسی ضروریات میں بھی ہمیشہ علمائے حق کا ساتھ دیا۔

تصنیفی خدمات :-

اللہ تعالیٰ نے تحریر وتصنیف کا بھی اعلیٰ سلیقہ آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین حافظہ سے نوازا تھا۔ اس لئے آپ کی ہر تحریر دلائل وبراہین سے مزین ہے۔ علمی اور اصلاحی ہر میدان میں آپ کی سینکڑوں تصانیف یادگار ہیں۔ بخاری کے ترجمۃ الباب تفسیر کے مشکل مسائل فلسفہ کلام کی اور کتب عقائد کی شرح سے لیکر وضو، سجدہ کے فضائل اور عوامی دروس تک آپکی تصانیف ہر طبقہ فکر کیلئے رہنماہیں۔ مختصراً آپ کی چند کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ عنوان خود ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے۔

تفسیر

(۱) آسان تفسیر (۲) درس قرآن عزیز ۲۸ جلدوں میں (۳) معارف القرآن (۴) ضرورۃ القرآن ۲ جلدوں میں (۵) احکام القرآن (۶) راہ نمائے ترجمہ القرآن (۷) قواعد ترجمہ القرآن۔

حدیث

(۱). الرسالۃ المدنیہ (عربی میں) (۲). ضرورت حدیث (۳). روح الباری علی تراجم البخاری
(۴). انوار الحدیث ۲۸ جلدوں میں۔(۵). مقدمہ انوار المشکوۃ (۶) جواہر البخاری
(۷). انمول موتی (۸). زاد آخرت۔

فقہ واصول فقہ

(۱). خلاصہ فقہ حنفی (۲). اصول حسینی (اصول الشاشی کا فارسی نظم میں ترجمہ (۳). آئین وراثت
(۴). فقہ اسلامی (۵). حج بیت اللہ وزیارۃ الرسولؐ۔

علم کلام وفلسفہ

(۱). احسن الفوائد اردو شرح شرح عقائد نسفی (۲). البدر الحل الصدرا۔

تصوف

(۱). نجات دارین (۲). کشکول رحمت (۳). شجرہ الحسینیہ چشتیہ صابریہ (۴). روحانی تحفہ۔

سیرت

(۱). رحمت کائناتؐ (۲). با محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوقار (۳). شان رسول اللہؐ (۴). مقام محمود تاریخ
(۱). پاک بندے (۲) تذکرہ دیار حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
(۳). تذکرۃ المفسیرین (اردو انگلش) (۴) سیرت صحابہؓ (۵). چراغ محمدؐ (سوانح حضرت مدنی)۔

فضائل

(۱). شان صحابہؓ (۲). برکات وضو (۳). ظل رحمانی (۴). روحانی گلدستہ (۵). سنت الانبیاء (۶). رحمتوں کا خزانہ

لغت

(۱). دینی لغات (۲). محبوب زبان۔

اوراد ووظائف

(۱). آغوش رحمت (۲) الحزب الاعظم کا ترجمہ وتوضیح (۳). دامان رحمت۔

تردید فرق باطلہ

(۱). رحمت کائنات (مسئلہ حیات النبیؐ پر) (۲). عقائد حقہ (۳). درہ زاہدیہ برفرق احمدیہ
(۴) اصلاح الرسوم (۵). قادیانی کیوں کافر ہیں (۶) بھوک اور اسلام (۷) ضرورۃ القرآن (۸) خلافت اولیٰ
(۹). اپنی امت کے نام حضرت مسیحؑ کا پیغام (۱۰). گانا بجانا۔

وفات حسرت :-

۱۵ اگست ۱۹۸۹ء آپ کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ آٹھ (۸) دن کمپلیکس ہسپتال اسلام آباد میں زیر علاج رہے۔ سینے میں پھر دوبارہ تکلیف ہوئی تو کمپلیکس ہسپتال اسلام آباد میں چند دن زیر علاج رہے، ڈاکٹروں نے کام سے منع کیا تھا۔ مگر آپ باوجود انتہائی نقاہت کے مسلسل کام کرتے رہے۔ بیماری کے دوران چراغ محمدؐ، سوانح حضرت مدنیؒ لکھی۔ درس قرآن مجید اور درس حدیث کا بنام انوارالحدیث کا کام کیا۔ علاوہ ازیں بھی کئی عنوانات پر لکھا۔ خطوط کے جوابات روزانہ اپنے قلم سے لکھتے۔ درس نظامی کی انتہائی کتب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کئی مختلف جگہ پر درس قرآن مجید اور مجالس ذکر کیلئے بھی تشریف لے جاتے۔ آپ کی خواہش تھی کہ میرے معمولات میں کسی بھی چیز کا ناغہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا۔ چنانچہ حیات مستعار کے آخری روز بھی صلوۃ خمسہ، تہجد، چاشت، اشراق، صلوۃ الزوال اور اوابین کے علاوہ بے شمار نوافل پڑھے، ذکر واشغال تسبیحات ومراقبات تمام ادا فرمائے۔ ترجمہ القرآن، بخاری شریف، پندنامہ کا سبق پڑھایا۔ تصنیف کا کام کیا۔ ڈاک لکھی، بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ عشاء کی نماز باجماعت مسجد سے پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ رات بارہ بجے اچانک دل کی تکلیف ہوئی۔ سی. ایم. ایچ اٹک لے جائے گئے، خود پیدل چل کر گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے ہسپتال تک بھی خود چل کر گئے۔ ڈاکٹر آکسیجن کی تیاری کر رہے تھے کہ دو بجکر گیارہ منٹ پر تہجد کے وقت جو آپ کیلئے تمام عمر وصال محبوب کا وقت تھا۔ تین مرتبہ اللہ، اللہ، اللہ فرمایا اور جان آفرین کے سپرد کردی۔

"اناللہ وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

ہزاروں منزلیں ہونگی ہزاروں کارواں ہونگے

بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہونگے

اولاد :-

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے اور چار بیٹیاں عنایت فرمائیں۔ سب آپ کے حسن تربیت سے نیک صالح اور متقی پرہیزگار ہیں۔ آپ کے تینوں صاحبزادے حافظ قاری اور عالم فاضل ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ، جامعہ اشرفیہ سے فاضل ہیں۔ منجھلے صاحبزادے مولانا قاضی محمد راشد الحسینی مدظلہ اور چھوٹے صاحبزادے مولانا قاضی محمد ابراہیم ثاقب الحسینی مدظلہ

حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل ہیں ۔

خلفائے کرام :-

آپ نے ہزاروں انسانوں کی تربیت باطنی فرمائی ، اکابر کی روحانی امانتوں کو تمام عمر نچھاور کرتے رہے ۔ منازل سلوک کی تلقین کے بعد آپ اپنے اکابر کی طرز پر اجازت بیعت سے بھی نوازتے تھے ۔ ایسے تیرہ (۱۳) خوش نصیبوں کو آپ نے اپنا مجاز فرمایا جنکے اسم گرامی درجہ ذیل ہیں ۔

(۱) حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب مدظلہ اٹک

(۲) مولانا ڈاکٹر سید مسعید اللہ جان صاحب مدظلہ پشاور

(۳) مولانا قاری محمد سلیمان صاحب مدظلہ ٹیکسلا (۴) مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ بنوں

(۵) جناب کرنل محمد جمیل صاحب مدظلہ کرک کوہاٹ

(۶) مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ مشور کوٹ (۷) حافظ نثار احمد الحسینی صاحب حضرو

(۸) حاجی عبدالعزیز صاحب مدظلہ ایبٹ آباد

(۹) صاحبزادہ مولانا قاضی محمد راشد الحسینی صاحب مدظلہ اٹک

(۱۰) صاحبزادہ مولانا ابراہیم ثاقب الحسینی صاحب اٹک (۱۱) مولانا قاری غلام نبی صاحب مدظلہ افغانی

(۱۲) حضرت حافظ عطاء اللہ صاحب مدظلہ وہاڑی

(۱۳) مولانا قاری محمد ادریس صاحب مدظلہ اسلام آباد ۔

تحریر: عطاء اللہ مدرس جامعہ اسلامیہ گلگت

چینی طلباء کی داستان غم

افسوس! دینی حمیت سے عاری پاکستانی حکومت نے ان طلباء کو چین کے حوالہ کر دیا، جن کو خنجراب سے پار لے جاتے ہی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی کرتے ہوئے انتہائی بے دردی اور وحشیانہ طریقہ سے گولی سے اڑا دیا گیا۔

ظلم آخر ظلم ہوتا ہے خواہ وہ دشمنی اور عداوت کی صورت میں ہو یا دوستی، یاری کی آڑ میں، ظلم تمام اہل مذاہب کی نظر میں ایک معیوب اور انتہائی قبیح فعل سمجھا جاتا ہے، لیکن مذہب اسلام نے سب سے بڑھکر ظلم اور ظالموں کی مذمت بیان کی ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، "الظلم ظلمات یوم القیمة" کہ ظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی صورت میں ہوگا۔ اسلام نے جہاں ظلم وظالم کی مخالفت کی ہے وہیں پر مظلوم کی بھرپور حمایت کا بھی درس دیا ہے۔ قرآن پاک وحدیث رسول اللہؐ میں جس ظلم وجبر کی مخالفت ومذمت بیان کی گئی ہے اسی ظلم وجبر کا بدترین مظاہرہ، کلمہ طیبہ "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" کے عنوان پر بننے والی مملکت کے جابر حکمرانوں اور ان کے حاشیہ برداروں نے کیا، ظلم بھی کن بے بس، مجبور اور بے دست وپا انسانوں پر! مملکت خداداد پاکستان کے قریب ترین وعزیز ترین دوست ملک چین کی ظالم وجابر کمیونسٹ حکومت کے ہاتھوں تختۂ ستم بن کر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والے ان بارہ (۱۲) معصوم ونوعمر مسلمان طلبۂ کرام پر جو صرف اور صرف اپنے ایمان اور اسلام کے تحفظ اور بقا کی خاطر ہجرت کر آئے تھے جن کا جرم اور قصور بالفاظ قرآنی یہ تھا:

ترجمہ:- اور یہ کافر، مسلمانوں سے فقط اسلئے ناراض ہیں کہ انہوں نے اللہ عزیز وحمید کی ذات پر ایمان لایا ہے

واقعہ کچھ یوں ہے کہ "انھم فتیة آمنوابربھم" کے مصداق ملک چین کے سب سے بڑے مسلم صوبہ سنکیانگ کے ۱۴ نوجوان چینی حکومت کے نظام سے تنگ آکر دسمبر ۱۹۹۷ء کے ٹھنڈے اور سرد ایام میں (جبکہ ان دنوں پاک چائنہ سرحدات شدید ترین برف باری کی لپیٹ میں ہوتے ہیں۔ پانچ سو میل سے بھی زیادہ طویل پہاڑی وبرفانی راستہ ۲۸ دنوں میں پیدل طے کر کے اور وہ بھی اپنے دو کم عمر ساتھی ادریس اور محمد سے محروم ہوکر (یاد رہے یہ دونوں کم سن مجاہد طالب علم جن کی عمریں بالترتیب ۱۴ اور ۱۵

سال بتائی جاتی ہے ۔ برفانی راستہ میں دب کر شہید ہوگئے ہیں ۔(جب پاکستانی علاقے وادی شمشال پہنچے جو اسماعیلیہ برادری کی ہے) لوگوں نے ان مجبور ومقہور انسانوں کو انسانیت کے ناطے (جس کا نعرہ لگاتے ہوئے یہ یورپین میڈ لوگ نہیں تھکتے) اپنے گھروں بلکہ اپنی بستی میں کچھ لمحے اور چند ساعات پناہ دینے کے بجائے انہیں سیدھا گلگت تھانہ پہنچادیا۔

ع سرزمین اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے وصل کیسا ، یاں تو اک اک قرب فراق انگیز ہے

وہاں سے ان بارہ طلباء کرام کو ڈسٹرکٹ جیل گلگت میں لاکر پابند سلاسل کردیا گیا تقریباً چارہ ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ یہ پھول جیسے نوجوان کسی گلشن کی زینت بننے کی بجائے ڈسٹرکٹ جیل گلگت کی ہوائیں کھاتے رہے)۔

ع ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز لکھا ہے نزعروساں کچھ پھول تو کھلتے ہیں مزاروں کیلئے بھی

رمضان المبارک کے ماہ مبارک میں انہی بارہ طلباء (۱۲) کا ایک ساتھی حافظ عبدالرشید کاشغر کے عفلق خاندان کے ایک علمی خانوادے کے فرد ہیں ، جن کے باپ دادا اور خاندان کے دیگر اکابرین کو مذہب سے شدید لگاؤ اور تعلق کی بناء پر شہید کردیا گیا ہے ۔ نے جو ماشاء اللہ حافظ قرآن تھے ، اپنے اسلاف کی روایت زندہ کرتے ہوئے جیل ہی میں قرآن مجید سنایا یہ رقبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

گذشتہ مہینے اپریل ۱۹۹۷ء کی ۱۶ تاریخ کو گلگت کے ۲۴ مسلمان باشندوں کی طرف سے ضمانت دیئے جانے پر سیشن کورٹ گلگت نے ان حضرات طلبۂ کرام کو ضمانت پر رہا کردیا تھا ۔ ضمانت پر رہائی ملنے کے بعد ان معصوم ومجبور طلبۂ کو شمالی علاقوں کی مصروف دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ نصرت الاسلام میں داخل کرادیا گیا، جہاں ان حضرات کیلئے خصوصی کلاس کی اجراء کیساتھ بہتر قیام کا بندوبست کردیا گیا ، عبدالصمد اور عبداللہ نامی دو طالبعلم ان میں سے اردو اور عربی میں اپنا مطلب نکالنے کی حد تک شد بد رکھتے تھے اور یہی دو طالبعلم سردست ترجمان بھی تھے ۔

چینی حکومت کو ان حضرات کی پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کی جونہی اطلاع ملی تو تب سے اب تک تقریباً حکومت چین کی طرف سے ان طلبۂ کو واپس لینے کیلئے پے درپے تین وفد آئے جو ہر بار ناکام ونامراد لوٹے ۔ اب کی دفعہ جب یہ حضرات ضمانت پر رہا ہوکر جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے اور ابھی ایک ہفتہ بھی پورے گزرنے نہیں پایا تھا کہ بعض مقامی اسلام دشمن عناصر کی طرف سے اسلام آ میں متعین چینی سفیر کی گلگت آمد کے موقع پر ان بے چارے طلبۂ کرام سے متعلق بے سروپا اور غلط بریفنگ دیئے جانے کی وجہ سے ضمانت پر رہا ان طلبۂ کو مقامی انتظامیہ نے اپنی روایتی دجل وفریب مظاہرہ کرتے ہوئے ماورائے عدالت نے دوبارہ گرفتار کرکے توہین عدالت کا ارتکاب کرلیا۔

پھر سوئے اتفاق دیکھئے کہ انہی دنوں صدر پاکستان فاروق لغاری اور وزیر خارجہ گوہرایوب کشکول گدائی لیکر ملک وقوم کے نام قرضے لیکر اپنا پیٹ بھرنے کیلئے چین کے دورے پہ گئے ہوئے تھے، جہاں پر سب سے پہلے چینی حکومت نے اسلام آباد کا قلعہ کہلانے والے ملک کے حکمرانوں سے ان بارہ مہاجر مسلم نوجوانوں کو ملک چین واپس کردینے کا مطالبہ کردیا تو جس پر ہمارے ان سوداگر حکمرانوں نے ایک لمحہ سوچے بنا اسلامی دوستی پر کمیونزم دوستی کو ترجیح دیتے ہوئے اسلامی اصولوں اور بین الاقوامی پناہ گزینوں سے متعلق بنائے جانے والے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محض چند ٹکوں کی خاطر انکو چینی حکومت کے حوالہ کردیا۔ چینی حکومت کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کرنے والے مسلمان مہاجرین کو چین کو واپس کردینے کا صاف مطلب ان حضرات کو زندہ درگور کرنا ہے۔

کوئی بتائے تو ان مجبور و مقہور بارہ (۱۲) مہاجر مسلمانوں کا خون کس کی گردن پر ہوگا؟ نہ صرف ان بارہ افراد کا بلکہ بات تو اب بارہ (۱۲) خاندانوں تک پہنچ رہی ہے، بلکہ باوثوق اطلاعات کے مطابق شمالی علاقہ جات کی طرح ملک کے دیگر شہروں میں موجود مسلم چینی مہاجرین خاص طور پر دینی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے چینی طلبہ کو واپس کردینے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ ارے دین وایمان کی حفاظت تحفظ کیلئے آنے والوں کو انما المومنون اخوۃ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے ایمانوں کو تحفظ دینے کے بجائے ان کی جانوں کو بھی گنوادیا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں حکمران کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ان بے دست وپا مسلم طلبہ کرام سے جب آخری بار ہم لوگ پاک چین سرحد کے قریبی علاقے علی آباد ھنزہ تھانے (جہاں انہیں چین واپس بھیجنے کیلئے محبوس رکھا گیا تھا) میں گئے تو اس وقت رات کے تقریباً ایک بج رہا تھا۔ چونکہ گلگت جیل اور پھر جامعہ اسلامیہ میں رہنے کیوجہ سے ان حضرات سے کافی حد تک شناسائی ہوچکی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی معصوم پھول ایسے نوجوانوں کے مرجھائے ہوئے گلاب ایسے چہروں پر مسکراہٹ وامید کی ایک قوس وقزح سی کھنچ گئی۔ انکی یہ کیفیت تو صاف طور پر اس بات کی غمازی کررہی تھی کہ وہ ہمیں اپنا نجات دھندہ سمجھنے کی خوش فہمی کا شکار ہورہے ہیں، لیکن جب انہوں نے واقعتاً زبان سے قلبی کیفیت کا تذکرہ کرہی دیا تو مجھ سمیت میرے تمام رفقاء کی بے بسی ٪۹۹ کی ڈگری کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ پولیس کی بھاری نفری کے علاوہ اعلیٰ سرکاری عہدیدار بھی وہاں موقعہ پر موجود تھے ان بے گناہوں میں سب سے کم سن بے گناہ طالبعلم غالباً حافظ عبدالرشید تھے اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں ہمیں اور پولیس کے ذمہ داروں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ !

پاکستانی بھائیو! ہم تو اپنا سب کچھ لٹا کر محض اپنا ایمان واسلام بچانے کیلئے تمھارے پاس آئے تھے ۔لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ حضرات چینی درندوں سے بھی سخت ہونگے ،اگر ہمیں چین واپس ہی بھجنا ہے تو پھر ہمیں یہیں قتل کردو (یہ کہتے ہوئے وہ بھی بچوں کی طرح پھوٹ پڑا اور ہم بھی بے صبر ہو گئے)تاکہ مرتے وقت کسی آزاد مسلمان کا سہارا تو نصیب ہو اور کسی مسلمان مقبرے میں دفن ہونے کی سعادت تو حاصل کرسکیں .... اس سے آگے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی زبان لڑکھڑانے لگی، ہماری آنکھیں ان کی یہ فریاد سن کر گو پرنم ہورہی تھیں مگر اپنی آنسوؤں کو بڑی مشکل سے روک رہے تھے کہ کہیں ہماری بے بسی کا اظہار ان کی مزید حوصلہ شکنی کا باعث نہ ہو مملکت پاکستان کی ہر آنے جانے والی حکومت تو مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے درندہ صفت حکمرانوں کی طرف سے وادی کے مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انہیں ممکنہ تعاون دے رہی ہے ، کمیونسٹ روس کے ممظالم سے تنگ آکر ہجرت کرنے والے تیس لاکھ افغانوں کو قطع نظر مذہب وقوم کے پاکستان پناہ دے سکتا ہے ۔بوسنیا اور چیچنیا اور اسی طرح دنیا کے مختلف ممالک سے ہجرت کرکے آنے والوں کو اگر پاکستان میں پناہ مل سکتی ہے تو چین کی کمیونسٹ حکومت کے مظالم سے مجبور ہو کر ہجرت کرنے والے ان بارہ معصوم نو عمر مسلم طالبعلموں کو پاکستان میں پناہ کیوں نہیں مل سکتی۔ ظاہر بات ہے چینی حکومت کی طرف سے مسلم بنیاد پرستوں پر ظلم و جبر بڑھتا جائے گا تو اس قدر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سلسلۂ مہاجرت دراز ہونا جائے گا ، اگر آج حکومت چین اسلامی مملکت کے نام کے سربراہوں سے اپنی کمیونسٹ حکومت کے لئے خطرہ سمجھنے والے بارہ طالبعلموں کی واپسی کا مطالبہ کرسکتی ہے تو وہ کل کلاں اس سے بھی بڑھ کر کسی چیز کا مطالبہ کرسکتی ہے ۔اگر ایک بے کس و بے بس ،مجبور و مقہور حالات کے مارے مسلمان کو ایک مسلمان تحفظ اور پناہ نہیں دے سکتا تو پھر کسی یہودی، نصرانی ہندو کمیونسٹ اور اسلام و مسلم دشمن فرد کیسے پناہ اور تحفظ دے سکتا ہے

مملکت پاکستان کے وجود پاک کا جو مقدس محرک (نظام مصطفیؐ) تھا اس سے انحراف اتنے بڑے اقدام (یعنی مسلمان طلبہ کو درندوں کے منہ میں دیدینا) کا باعث بنا ہے ۔پھر حکمرانوں کے یہ نعرے کہ ملک کا نظام بدل گیا ہے بالکل غلط اور سرتا پا غلط ہے ۔انگریز نے غلامی کی جو چھاپ لگائی ہے اسکے زہریلے اثرات اب تک طبقۂ حکمران کے اذہان و قلوب سے نہیں مٹے ۔

وطن تو آزاد ہو چکا ہے دل و دماغ غلام ہیں اب بھی
مئے غفلت پئے ہوئے ہیں یہاں کے خاص و عام اب بھی
غلط ہے ساقی تیرا یہ نعرہ کہ بدل گیا ہے نظام محفل
وہی شکستہ سی بوتلیں ہیں وہی کہنہ سے جام اب بھی

حافظ راشدالحق سمیع

ذوق پرواز

قسط نمبر ۵
سفر نامہ یورپ

ہر کجا رفتم غبار زندگی درپیش بود
یارب ایں خاک پریشاں از کجا برداشتم (۱)

پیرس میں میرے قیام کا آج تیسرا دن تھا۔ آج ورسیلز (۲) (VERSAILLES) کے شاہی محلات دیکھنے کے لئے اور دیگر اہم تاریخی مقامات اور یونیورسٹیز دیکھنے کے لئے پروگرام ترتیب دیا۔ میں نے علی الصباح اس "عقوبت خانہ" کے "قفس" سے رہائی حاصل کرنے کی ٹھانی۔ کیونکہ ساری رات نیند نہیں آرہی تھی۔ "کل شئ یرجع الیٰ اصلہ" کے اصول کے مطابق دوبارہ اپنے سابقہ ہوٹل ڈی فرانس پہنچا۔ کاونٹر پر کوئی غیر فرنچ منیجر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پاسپورٹ وغیرہ چیک کیا اور ساتھ ہی عربی انداز میں پوچھا کہ یو آر حافظ۔ میں نے عربی لب ولہجہ سے اندازہ کرلیا کہ موصوف عرب ہیں، میں نے نعم کہا جواب میں صباح الخیر کے شیریں لفظوں نے کانوں میں رس گھول دیا۔ یقین

---

۱) میں جہاں بھی گیا غبارہ زندہ میرے تعاقب میں تھا۔ اے خدا میں نے کہاں سے یہ خاک پریشاں اٹھائی۔

۲) یاد رہے ورسیلزوہ جگہ ہے جہاں جنگ عظیم اول کے بعد یہودیوں کی وہ اہم کانفرنس ہوئی جس نے ایک طرف عیسائی دنیا کی آخری طاقت کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف اسکی سازیشوں سے خلافت عثمانیہ تقسیم ہوگئی اور تیسری طرف لیگ آف نیشینز (League of Nations) کی شکل میں پہلی بین الاقوامی یہودی مملکت وجود میں آئی۔

جائیے ۔ اس دیار غیر میں عربی زبان ولہجہ کو سن کر جو خوشی ومسرت حاصل ہوئی بیان سے باہر ہے کہ اس " خشک صحرا" میں یہ " صدائے دل نواز" اور سخن ہائے" سوزوساز" کہاں سے آئی ۔

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست　　از کجا مے آید ایں آواز دوست

اپنا پرانا سابقہ کمرہ لیا ، غسل کیا اور تیار ہوکر ورسائی کی جانب روانہ ہوا۔ ورسلز جو پیرس سے تقریباً ۲۳ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ورسلز پیرس سے باہر شاہان فرانس کی بنائی ہوئی "جنت" کا نام ہے۔ اس کے باغات ، تعمیرات ، مجسمے ، فوارے ، خوبصورت طرز تعمیر اور ہر چیز انوکھی بارعب اور دلکش تھی۔ یہ پیرس سے تھوڑا باہر سرسبز وشاداب اور خوبصورت علاقہ ہے۔ یہاں پر پانی کی ایک نہر، جنگل اور پہاڑی بھی ہے ۔ فرانس کے شاہوں نے پیرس شہر کے ہنگاموں اور عوام کی نظروں سے دور" ورسائی" کے علاقہ کو اپنے عشرت کدوں ،محلات اور شاندار باغات کے لئے منتخب کیا تھا۔ کئی شاہوں نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے ذوق کے مطابق تعمیرات کرانے اور ہر نئے آنے والے شاہ نے ان محلات کی تعداد اور حسن ودلکشی میں اضافہ ضروری سمجھا ۔ اس کو بنے ہوئے کئی صدیاں بیت چکی ہیں ۔ مرور زمانہ اور انقلاب فرانس کے ہنگاموں میں عوام کی ضربوں سے اس کو کافی چوٹیں اٹھانی پڑیں ۔ لیکن پھر بھی وقت اور "حوادثات زمانہ" اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ یہاں پر دو محلات بہت ہی شاندار ہیں ۔ ایک تو ذرا چھوٹا ہے ۔ یہ لویس چاردہم نے اپنی محبوبہ " میڈم ڈامینٹی نان " کے لئے بنایا تھا۔ جس طرح کہ مغل شہنشاہ" شاہ جہان" نے اپنی بیوی (ممتاز محل)کے لئے تاج محل بنوایا تھا۔ شاہوں کے انہی شاہ خرچیوں کو دیکھ کر ہی "ساحر "نے مشہور زمانہ شعر کہا تھا۔

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر　　ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

"ورسائی " کے علاقہ کا سب سے خوبصورت، حسین و جمیل اور سب سے بڑا محل جسے شاہ لوئی نے تعمیر کیا تھا ۔ اس کا مختصر سا خاکہ پیش کرتا ہوں جس سے اس کی عظمت اور فن تعمیر کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس کو پچاس برس میں ۳۶ ہزار مردوزن، مزدوروں ، کاریگروں ، فنکاروں ، مصوروں ، ہنرمندوں ، انجینیروں ، مجسمہ سازوں نے دن رات ایک کرکے تعمیر کیا۔ سامان لانے کے لئے چھ ہزار گھوڑے موجود تھے۔ یہ چار حصوں پر مشتمل ہے ۔ ساتھ ہی ایک عظیم اور وسیع وعریض

باغ ہے جو تین سو ایکڑ پر مشتمل ہے۔ یہ کئی شہنشاہوں کا مسکن رہا۔ پیٹر اعظم ۱۷۱۷ء میں لوئس پانز دہم اور پھر بعد میں نپولین اپنے بیوی سمیت ۱۸۰۹ء میں اسی تاریخی محل میں رہے۔ اس محل سے ہی شاہ اور اس کی بیوی کو عوام ذلت کے ساتھ کھینچتے ہوئے پیرس تک لائے۔ انقلاب فرانس میں عوام کو شاہوں کے خلاف اکسانے اور بھڑکانے میں ان عظیم الشان قیمتی محلات نے بھرپور کردار ادا کیا تھا اسی وجہ سے ان کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور عوام یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ۔

ہم کو تو یسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

پیرس کے ان شاہانہ محلات، کروفر اور اہل فرانس کی زندگی اور عیش پرستی کو دیکھ کر ہی حضرت علامہ اقبالؒ نے فرانس میں ہی یہ شعر کہا تھا:

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام وائے تمنا خام

ورسیلز کے محلات اور (لورے میوزیم) کو دیکھ کر مجھے "احساس فنا" کی طاقت کا اندازہ مزید ہوگیا۔ کل کا "حال" اور "مستقبل" ماضی میں تبدیل ہوگئے۔ محلات، منقش، درودیوار و محرابیں، بالکونیاں آج کھنڈرات میں بدل گئے۔ ہزاروں مربعوں پر محیط عمارات اور سنگ مرمر سے مرصع قلعوں میں رہنے والے متکبر و مغرور حکمران آج چھ فٹ کے تنگ و تاریک قبروں میں مٹی ہوگئے ہیں۔ آج ان شاہوں کے محلات، ان کے سامان زیست، تاج و تخت، ہیروں اور جواہرات سے مزین ظروف الغرض ہر شے تماشۂ عبرت بنی ہوئی ہے۔ یہ کربناک منظر میرے سمیت ہر ذی نفس کے لئے سامان عبرت ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

جن محلات میں پرندے بغیر اجازت کے پر نہیں مار سکتے تھے اور جس علاقہ میں عوام کا غلطی سے بھی جانا ان کا بدترین جرم ہوتا تھا بلکہ خواص تک کا جانا ممنوع تھا آج وہاں پر بغیر کسی "پرواہ واجازت" کے ان "اجڑے ہوئے کاخ و کو" میں سیاحوں کے لشکر دندناتے پھرتے نظر

آتے ہیں اور چند روپوں کے ٹکٹ میں ان محلات کا کونہ کونہ دیکھ سکتے ہیں۔

قدرتی طور پہ مجھے ماضی کی تاریخ، گمشدہ تہذیبوں اور "اجڑے دیاروں" سے دلچسپی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ میں بے آب وگیاہ وادیوں، خشک صحراؤں، تلاطم خیز سمندروں، سرسبزوشاداب جزیروں، تاریخی میوزیموں، پرشکوہ قلعوں اور بڑے لوگوں کے مزارات وقبروں پر پہنچا۔ اور فنا کے گھاٹ اترنے والی تہذیبوں اور ان خطوں کے حکمرانوں اور خدائی کے دعویداروں کے کھنڈر نما محلات میں میں نے پکارپکار کر کہا! کہ آج کہاں ہیں دعویداران خدائی؟ کہاں ہیں عظمت وحشمت کے مرض میں مبتلا شاہان وقت، وقت کے قیصروکسریٰ، انگلستان کے جارج، ٹیوڈر، ایڈورڈ، ہنری اور فرانس کے لور خاندان بربون، خاندان وآلو اور نپولین، روس کے ظالم حکمران زار کہاں ہیں۔ خاندان ہابیس برگ کے سلاطین کہاں ہیں۔ جرمنی کا ہٹلر کہاں ہے۔ آج فراعنہ مصر کہاں ہیں۔ دارا وسکندر آج کہاں ہیں۔ بقول مجذوب ؎

مرقدیں دو تین دکھلا کر لگا کہنے مجھے	یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

اے خاوندان" سطوت وحشمت" کہاں ہیں تمہارے تاج وتحت۔ اے" شاہان رفتہ" تمہارے دربار آج کہاں ہیں؟ ایسی کوئی نہ کوئی طاقت تو ہے جس کی عظیم ولازوال قوت کے سامنے تمہاری ساری طاقتیں، سلطنتیں اور فوجیں ٹھہر نہ سکیں۔ کوئی ایسی روشنی تو ہے جس کے آگے تمہارے بھڑکتے ہوئے" چراغ اقتدار" ایسے بجھے کہ پھر کبھی روشن نہ ہوسکے اور جن کی حکومتوں میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا آج ان کے مزاروں پر چراغ تک نہیں جلتے۔ کوئی ایسی قدرت تو موجود ہے جس نے تمہاری اکڑی اور نخوت وتکبر میں اٹھی ہوئی گردنیں ہمیشہ کیلئے جھکادیں، بلکہ پیوند خاک کردیں۔ کوئی ایسی طاقت تو ہے جس نے تمہاری حسن وجمال، پری پیکروں، مہ رخوں اور خرام نازو والی عورتوں، شہزادیوں، ملکاؤں کو سیاہ خاک تیرہ میں ملادیا۔ آج ان محلات میں ہوا کے جھونکے جب چلتے ہیں تو وہ بھی طنزا ہنس کر کہتے ہیں۔ کہ دیکھو آج سیاح تمہاری" خلوت کدوں" کو" پامال" کرتے ہیں، تمہارے قیمتی ظروف اور" اشیاء زینت" محض" دل بہلانے" کے کھلونے بن گئے ہیں یا پھر ماہرین آثار قدیمہ کے تحقیقات اور موشگافیاں؟ تم پر تو فنا کی ایسی "مہر" لگی کہ تمہاری

تو خاک تک بھی زمانہ میں باقی نہ رہی ۔ تم سے تو تمھارے عہد کے بنائے گئے ٹوٹے مجسمے اور ناکارہ بت ہی اچھے رہے جو سامان عبرت کے طور پر باقی تو رہ گئے۔ لیکن تمھارا کیا ہوا ......؟ تھوڑی دیر بعد مجھے دیواروں بالکونیوں ، محرابوں ، چبوتروں سے ٹکراٹکرا کر یہی صدا آرہی تھی " کل من علیھا فان"" کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" دوبارہ میں نے ان محلات کے درودیوار سے سوال کیا کہ آیا تجھ میں بھی کوئی بستا تھا کوئی رہتا تھا اور کن کن لوگوں کی" خرمستیوں" کو تم نے برداشت کیا۔ اور کن کن کی" خرام اندازیوں" اور" حشرسامانیوں" کا" نخرہ" تم نے اٹھایا۔ وہ" ہنگاموں" اور" زم زموں" سے لبریز" سروروساز"والی زندگی کہاں رہ گئی ؟ میرے کان میں " بادصرصر" نے سرگوشی کی

آنی وفانی تمام معجز ہائے ہنر
کارے جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول وآخر فنا، ظاہر و باطن فنا
نقش کہن ہوکہ نو، منزل آخر فنا

سب کچھ" عدم وفنا" کے غاروں نے ہڑپ کرلیا۔ وقت کی ظالم تلوار نے سب کو کاٹ کررکھ دیا۔ فنا کی آندھی نے سارے مٹی کے" کھلونے وظروف" توڑ ڈالے۔ ہر چیز اپنے اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی ۔ یہی وہ مقام اور چوراہاہے جہاں سے دوراستے جاتے ہیں ایک تو بقاء کا ۔ یعنی مذہب اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور رسالت وعقائد ونظریات کا اسے" صراط مستقیم" کہتے ہیں ۔ دوسرا راستہ اس کے برعکس ہے جہاں سے الحادوانکار ، زندقہ وگمراہی اورتباہی کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں ۔ یعنی فناء کا راستہ .... شاہوں کے انہی ٹھاٹ باٹ اور مظالم کے خلاف انقلاب فرانس برپا ہوا ۔

انقلاب فرانس :-

انقلاب فرانس عہد قریب کا ایک بڑا واقعہ ہے۔ جو فرانسیسی عوام نے اپنے مطلق العنان اور ظالم وجابر متکبر حکمرانوں کے خلاف برپاکیا تھا ۔ اور اپنے اوپر صدیوں سے مسلط لور خاندان کو اقتدار سے نہ صرف محروم کیا بلکہ آخری سولھویں" شاہ لوئی" کی گردن برسرعام مشہور زمانہ " کنکارڈ" نامی چوک میں اڑادی گئی ۔

بقول غالب چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے۔

اور ساتھ ہی اسکی بیوی (میری انتونی) کو ختم کردیا گیا اور ان شاہوں کے پورے خاندان کو زیروزبر کردیا گیا۔ فسادات وبغاوت کے وقت شاہ لوئی نے عوام کے سخت جذبات اور بدلتے ہوئے تیور کو بھانپتے ہوئے اور ان کو ٹھنڈا کرنے لئے ایک شوریٰ بلائی جس میں مذہبی پیشواء، بڑے بڑے امراء اور ہر مکتب فکر کے چیدہ چیدہ افراد کو شامل کیا۔ لیکن کچھ بات نہ بنی اور بپھرے عوام جوکہ مدتوں سے استبدادی شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اور استحصالی نظام سے گلوخلاصی کے لئے بلآخر آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔ بلکہ محلات اور شاہ کی رہائش گاہ پر بھی جھپٹ پڑے۔ ہر چیز اور ہر رکاوٹ کو انہوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ دوران انقلاب شہر پیرس میں لاشوں کے پشتے لگ گئے، قتل وغارت کا وہ بازار گرم ہوا جس کی تپش مدتوں تک محسوس کی جاتی رہی۔ اور دریائے سین کا رنگ خون سے لال ہوگیا تھا۔ آخر کار عوام کا یہ ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر ۱۴ جون ۱۷۸۹ء کو شاہی محلات اور پیرس کے دیگر اہم مقامات پر قابض ہوگیا۔ اس عوامی انقلاب میں زیادہ تر کسان طبقہ تھا۔ آخر کار ۳۰ رکنی اسمبلی نے عوام کے تمام مطالبات کو منظور کیا اور مراعات یافتہ طبقہ کو ہر طرح کی سہولیات سے محروم کردیا گیا۔ عوام اور اسمبلی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس پر دونوں فریقوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ ۲۶ اگست ۱۷۸۹ء کو اس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ جس کو آج دنیا والے "انسانی حقوق" کا چارٹر کہتے ہیں۔

انقلاب فرانس اور اس کی جمہوریت اور "انسانی حقوق کے چارٹر" کے متعلق امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا زبردست تبصرہ کیا ہے۔ (اسلام ایک جمہوری نظام حکومت ہے اور انسانی حقوق کماحقہ دینے اور دلانے کا وہ سب سے پہلا اعلان ہے، جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس بیشتر ہوا۔ یہ صرف اعلان ہی نہ تھا، بلکہ ایک عملی نظام تھا۔ مشہور مورخ گبن GIBON کے لفظوں میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا۔) انقلاب فرانس کے لئے اصل زمین ادیبوں سکالروں اور شاعروں نے ہموار کی۔ انقلاب فرانس برپا ہونے کے بعد فرانس کا آخری" لوئی شہنشاہ" کہتا ہے (انقلاب فرانس کچھ بھی نہیں سوائے والیٹر اور روسو کے۔)

والیٹر ۲۱ نومبر ۱۶۹۴ء میں پیرس میں پیدا ہوا۔ وفات ۳۰ مئی ۱۷۷۸ء اس نے فرنچ ادب کو جو کچھ دیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ والیٹر بہت ہی قابل فاضل شخص تھا۔ اس کی تصانیف نے ہی فرانسیسی عوام میں انقلاب کا جذبہ پیدا کیا۔ اور شاہوں کے خلاف اٹھنے پر مجبور کیا۔ اس کی کئی کتابوں اور ڈراموں پر فرانس میں پابندی لگی۔ اسکی بڑی تصنیف " فلاسفیکل ڈکشنری" ہے۔ اس نے عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ انقلاب فرانس میں " والیٹر" اور " روسو" بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں ......　　ایک دوسرے بانی انقلاب کے کچھ احوال:

ژاں ژاکس روسو (JEAN JACQUES ROUSSEAU) ۲۸ جون ۱۷۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ وفات ۲ جولائی ۱۷۷۸ء۔ اس کی بڑی تصنیف معاہدہ عمرانی (SOCIAL CONTRACT) اور خود نوشت " اعترافات " (CONFESSIONS) عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔

واپسی پر میں پیرس کی مشہور اور قدیم ترین یونیورسٹیز کو دیکھنے کے لئے گیا۔ پہلے میں یونیورسٹی " ڈی پیرس" پہنچا۔ یہ پیرس کی بہت بڑی عظیم یونیورسٹی ہے، اس میں ھزاروں طلباء وطالبات پڑھتے ہیں۔ یہ " لیٹن کوارٹر" کے علاقہ کے ساتھ ہی ہے۔ " لیٹن کوارٹر" ایک خوبصورت ایریا ہے، یہاں پر شاپنگ سنٹرز اور ریسٹورنٹ اور متعدد کیفے وغیرہ ہیں۔ خصوصاً یہاں پر اطالوی، چینی، یونانی ریسٹورنٹ زیادہ ہیں۔ ان ریسٹورنٹوں میں زیادہ تعداد طلبہ کی ہوتی ہے۔ لیٹن کوارٹر کو دیکھنے کے لئے اکثر سیاح آتے ہیں۔ میں یونیورسٹی ڈی پیرس کے متعدد شعبوں میں گیا۔ اس کے بعد میں پیرس کی سب سے قدیم ترین اور اعلیٰ پایہ کی " سوربون" یونیورسٹی پہنچا۔ یہ یورپ کی ایک تاریخی اور عظیم یونیورسٹی ہے۔ بارہویں صدی میں اس کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ کلیسا کی سرپرستی اس کو حاصل تھی۔ اور اس کا پرنسپل بھی اپنے وقت کا بڑا پادری ہوتا تھا۔ اس یونیورسٹی کی تاریخ کیمبرج ۶۷۔ ۱۱۶۸ء اور " آکسفورڈ" مشہور عالم یونیورسٹی ۱۲۰۹ء میں قائم ہوئی۔ اس یونیورسٹی کی طرز تعلیم اور ثقاہت یورپ میں تمام علمی دانش گاہوں سے زیادہ تھی۔

" شاہ فرانسیس" اول نے ۱۵۲۹ء میں یہاں کولیژ " تحقیقاتی ادارہ " کی بناء ڈالی۔ اور پھر دینی تعلیم کے علاوہ کئی اور علوم وفنون یہاں پڑھائے جانے لگے۔ پھر اس کے بعد سترہویں صدی میں فرانس

کے وزیر تعلیم " کارڈینال ریشیلیو" نے جو کہ ایک اچھے مدبر اور دانشور بھی تھے ۔ اس تاریخی یونیورسٹی کی ازسرنو تنظیم کی اور نصاب میں سائنس ، ریاضی اور فرانسیسی زبان اور دیگر زبانوں کی ادبیات پڑھائی جانے لگیں ۔ یہاں ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ یورپ " حقوق و آزادی نسواں " کا علمبردار بنا ہوا ہے ۔ اور انکی تعلیم و تربیت کا خود کو بڑا " معلم " سمجھتا ہے ۔ لیکن یورپ کی اس عظیم درسگاہ (سوربون) میں ۱۸۸۰ء تک عورتوں کو داخلہ لینے کی اجازت نہیں تھی ۔ اور ۱۸۴۸ء میں ایک لڑکی کو اپنے شوہر سمیت یہاں پہ داخلہ ملا ۔ اس سے یورپ کی " روشن دماغی " اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں انکی منافقانہ پالیسی واضح ہوتی ہے ۔ " نیشنل لائبریری " پیرس کا ایک قدیم کتب خانہ ہے ۔ اور دیکھنے کے قابل ہے ۔ سولہویں صدی میں " فرانسوا اول " نے اس شاہی کتب خانہ کی ازسرنو تعمیر کی ۔ انقلاب فرانس کے بعد ۱۷۹۴ء سے یہ " قومی کتب خانہ " کہلانے لگا ۔ یہاں بہت ہی نایاب اور نادر مخطوطات محفوظ ہیں ۔ نپولین نے یہاں پر یونانی ، لاطینی اور فرانسیسی ، عربی ، فارسی ، ترکی کتابوں کا بہت عظیم ذخیرہ یہاں محفوظ کیا ۔ " نپولین " اگر چہ ایک ظالم اور جابر جنرل حکمران تھا ، لیکن یہ علم کا بہت ہی قدردان اور خود بھی صاحب علم تھا ۔ زمانہ طالب علمی میں اس نے بہت زیادہ مطالعہ کیا ۔ اس نے اٹلی میں علوم وفنون کے ماہرین افراد کیساتھ بہت تعاون کیا ۔ اس نے " ورجل " سن پیدائش ۷۰ ق م جو کہ روم کا ایک عظیم شاعر تھا ۔ اور جس کی شہرہ آفاق کتاب " اینیڈ " کو رزمیہ شاعری کا شہکار کہا جاتا ہے ۔ اسکی روم میں ایک بڑی یادگار تعمیر کی ۔ اس سے اسکی علم دوستی معلوم ہوتی ہے ۔

نپولین کے بارے میں کہیں پڑھا ہے کہ دوران قید اس کے لئے صبح کتابوں کا بڑا ذخیرہ بھیجا جاتا جس کو شام کے وقت یہ واپس کر دیتا ۔ کسی نے پوچھا کہ اتنی جلدی آپ کیسے ساری کتابیں پڑھ لیتے ہیں ؟ نپولین نے جواب دیا کہ میں کتاب کی جلد اور چند صفحے دیکھ کر ہی معلوم کر لیتا ہوں کہ کتاب میں کیا ہے ۔ نپولین کی " خودنوشت " پڑھ کر اسکی علمیت اور شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس نے دیگر مذاہب کا بھی غور سے جائزہ لیا تھا ۔ غالباً اسلام کے بارے میں بھی اس نے ایک کتاب " نپولین بونا پاٹیکل آف اسلام " لکھی ہے ۔ پیرس کی ایک خوبصورت ، شہکار اور عجوبہ

لائبریری بھی دیکھنے کے قابل ہے ۔ یہ چھ سات منزلہ عمارت دنیا کی واحد عمارت ہے جو پائپوں کی مدد سے تعمیر کی گئی ہے ۔ چھتوں میں پائپ ، دیواروں میں پائپ الغرض پائپ ہی پائپ ۔ لفٹ بھی پائپ نما ہے ۔ ایفل ٹاور کے بعد پیرس والے اب اس بلڈنگ پر بھی افتخار کرتے ہیں ۔(اور جو کہ انکا حق بھی بنتا ہے) یہ جدید ترین بلڈنگ ہے جس میں درمیانی فلور پر لائبریری ہے جس میں کمپیوٹر کی سہولت جوانٹرنیٹ سے منسلک ہوتے ہیں ۔اور فوٹو سٹیٹ مشینیں ہیڈ فونز اور ویڈیو کیسٹس الغرض تمام سہولیات عوام کے لئے فری ہیں ۔ آپ سو سالہ پرانا اخبار ایک منٹ میں خصوصی سکرین پر دیکھ سکتے ہیں ۔ پیرس کی اس لائبریری میں جو بات تھی وہ کہیں نہیں دیکھی مثلاً انڈیا آفس لائبریری ، برٹش گیلری ، اسکندریہ اور قاہرہ کے کتب خانے اور بریڈ فورڈ اور لنڈن کے لائبریریوں میں وہ بات میں نے نہیں دیکھی ۔ بہرحال اہل فرانس کی علم کی قدردانی قابل تحسین ہے ۔ کہ اس مادیت کی دور میں بھی لوگ مطالعہ ضرور کرتے ہیں ۔ میں پیرس کے مشہور شاپنگ سنٹروں میں عصر کے وقت گیا ۔ کہ تھوڑی بہت شہر پیرس سے "خریداری" کرونگا ۔ یہاں کی سب سے مشہور چیز عطریات اور پرفیومز ہیں ۔ پیرس جانے سے پہلے اپنا یہ "خیال خام" تھا کہ پیرس میں "عطریات کے دریا" بہتے ہونگے ۔ اور کم سے کم ایک " دوگھڑے " ہم بھی وہاں سے مفت لے آئیں گے ۔ (آب زم زم کی طرح) لیکن جب عطریات وعرقیات کی دکانوں پر گیا اور وہاں جاکر قیمتیں سن کر میں تو " عرق انفعال " میں ڈوب گیا ۔ کہ اتنی زیادہ قیمتیں لنڈن سے بھی دوگنی بلکہ چوگنی ۔ انتہائی " افسردہ خاطر " ہوا کیونکہ اپنا تو یہ خیال تھا کہ خود کو " مالا مال " اور " مستغنی " کرنے کے بعد دوست واحباب کے لئے بھی " شہر پیرس کے یہ ھدایا " لے جاؤنگا ۔ لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یورپ میں ان عطریات کی دکانوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ اندر جاکر ہر طرح کے سپرے اور پرفیوم ٹرائی کے طور پر اپنے کپڑوں ، اپنے ہاتھوں پر کر سکتے ہیں ۔ اور باربار اس مفت شوق سے خود کو معطر کر سکتے ہیں ۔ اس بات پر آپ کی کوئی روک ٹوک نہیں ۔ یعنی یہاں پر " اباحت " جائز ہے اور اس پر کوئی قید وبند نہیں لیکن " تملیک " پر پابندی ہے ۔ میں نے بھی

اس " بادہ مفت " سے " خوب تردامنی " کی ۔ کہ (مفت راچہ گفت)

ع جی میں کہتے ہیں کہ مفت ہاتھ آئے تو مال اچھا ہے

عطریات کی تمام دکانیں دیکھ لیں۔ آخر میں میں نے ان مہنگی ترین عطریات کے بارے میں یہی کہہ سکا۔ کہ ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پیرس کی ہوش رباء مہنگائی مجھ سمیت ہر سیاح پر مسکراتی ہے ۔ اس " درویش بے گلیم " کی " ذنبیل " " بے متاع " کو دیکھ کر " مہنگائی " نے مجھ پر بھی ایک قہقہہ مارا ۔ اور سیاح بے چارے از شوکیسوں میں رکھے ہوئے اشیائے مختلفہ اور چمکتی دمکتی رنگار نگ قیمتی " مال و متاع " کو دیکھ کر صرف یہ کہہ سکتے ہیں :

ع ہزاروں خواہشیں ایسیں کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

خوشبوں کی اتنی " بھاری بھرکم " قیمتیں دیکھ کر میں نے صرف ان کو " مقدس " جان کر اور " چوم " کر دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا ۔ اور " خوش کام " ہوکر بلکہ " مشک بار " ہوکر اس " عطرستان " سے یہ شعر دہراتا ہوا سبک رفتاری سے نکل گیا ۔

ع وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا اب عطر بھی ملو تو محبت کی بو نہیں ۔

عروس البلادمیں میں تنہا تھا کسی سے " شناسائی " بھی نہیں تھی ۔ منہ اٹھائے ادھر سے ادھر نکل پڑتا ۔ کبھی کسی لائبریری میں ، کبھی یونیورسٹی ڈی پیرس میں کبھی ، " یونیورسٹی بربون " ، کبھی کسی شاہ کے محل میں ، کبھی کسی مرقد شاہی کے چکر کاٹتا ۔ اور کبھی باغات کی تفریح ہوتی اور کبھی تاریخی تعمیرات اور قلعوں کی سیر ہوتی جسے فرنچ " شیٹو " کہتے ہیں ۔ کبھی دریاسین میں کشتی کی سیر ہوتی ، الغرض اتنی زیادہ تفریح اور " سامان عبرت " اور ادھر میری تنہائی وبے زبانی ۔۔۔ ۔ شہر پیرس جتنا گنجان اور وسیع ہے اتنا ہی آدمی اس میں اکیلا ہوتا ہے ۔ یہ صرف میری ہی رائے نہیں بلکہ کئی لوگوں کی متفقہ رائے ہے ۔ میرا دل تین روز سے " احساسات " اور " جذبات " سے بھرا ہوا تھا لیکن سامعین عنقا اشعار کی " گرم بازاری " سے اپنا " شوریدہ سر " " وبال دوش " پر " تنور " کی مانند " سلگتا " تھا ۔ لیکن پردیس میں کوئی " ہمدم دیرینہ " کوئی " شناسا " ، کوئی " سخن شناس " اور " سامع " نہ تھا ۔ اطراف

وجوانب میں ہزاروں انسانوں کی بھیڑمیں میں " جبری" خاموش تھا۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ بڑھ کرایک "حیوان ناطق" کیلئے کیا اذیت و سزا ہوگی ؟ کہ باوجود قوت مخاطبہ کے " جبراً" خاموش ہو۔

ہر طرف ہر جگہ بے شمار آدمی پھر بھی تنہائیوں کا شکار آدمی

اور انسان کے حواسہ خمسہ تندرست وتوانا ہوں اور وہ پھر بھی " عضو معتل" بن جائے ۔ اور اس پہ طرفہ تماشہ یہ کہ مترجم بھی نہیں تھا۔ غیر اگر ہوتا بھی تو بہ زبان آتش ۔

ع زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

شام کا وقت قریب ہونے والا تھا میں ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا ۔ پیرس کی مشہور عالم سڑک شانزلیزا روڈ جسے دنیا بھر کی سڑکوں کی ملکہ بھی کہا جاتا ہے ۔ بیشک اس کے بارے میں جیسا سنا تھا اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلکش پایا۔ یہ دورویہ سڑک ہے ۔ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر لمبی ہے ۔ اس سڑک پر دنیا کے بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز بنے ہوئے ہیں ۔ اپنی وسعت اور جدید ترین شاپنگ سنٹرز کی بناء پر یہ لنڈن کے مشہور اور دنیا کے بڑے شاپنگ ایریا" آکسفورڈ سرکس" سے بھی زیادہ خوبصورت ایریا ہے ۔ اس کے فٹ پاتھ پر کئی چھوٹے بڑے ریسٹورنٹ بنے ہوئے ہیں ۔ اور یہ جگہ اپنی خاص وضع اور خوبصورت ریسٹورنٹوں کی بدولت دنیا بھر میں منفرد حیثیت رکھتی ہے ۔ یہاں بہت ہی تاریخی اور پرانے ریسٹورنٹ بھی ہیں ۔ جن میں اس وقت کے بڑے بڑے لوگ شاعر، دانشور، ادیب، مصوراور بڑے بڑے انقلابی افراد گھنٹوں بیٹھ کر تبادلہ خیال کرتے رہتے ۔ یورپ کے تمام بڑے بڑے لوگ یہاں شام کے وقت ضرور کھانے پینے کیلئے حاضری دیتے ۔ کئی ریسٹورنٹوں میں اپنے وقت کے بڑے بڑے لوگوں کے دستخط آج بھی محفوظ ہیں ۔

شہنشاہ ایران (رضاشاہ پہلوی) نے اپنے جشن کے موقع پر اسی جگہ سے کھانے تیار کرکے خصوصی جہازوں میں ایران منگوائے تھے ۔ یہاں پر شام کے بعد ایک میلے کا سماں ہوتا ہے ۔ اہل پیر س اور خصوصاً سیاح " حضرات" ضرور اس جگہ کا " چکر" لگاتے ہیں ۔ یہاں پر بہت بڑی بڑی کمپنیوں کے دفاتراور شاپنگ سنٹرز بھی قابل دید ہیں ۔ خصوصاً مرسڈیز بینز (Mercedes Benz) کا شوروم قابل دید ہے ۔ یہاں پر شام کے وقت روشنی کی بڑی بڑی لائٹس جلتی ہیں روڈ کے کنارے بک سٹال،

ٹیلی فون بوتس اور چھوٹے چھوٹے کیبن نمادکانیں بھی ہیں۔ اس سڑک کا سرا مشہور " محراب فتح" چوک سے شروع ہوتا ہے۔(جو ۱۸۰۶ء میں نپولین نے اپنے فتوحات کی یادگار تعمیر کی تھی)۔ اور لوگ ایک دوسرے کو دعوت وغیرہ انہی ریسٹورنٹوں میں دینا بہت بڑی بات سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے ہفتوں پہلے بکنگ کرنی پڑتی ہے ، یہاں میں نے اتنی زیادہ خلق خدا کو " مارچ پاسٹ" کرتے ہوئے دیکھا کہ حیران رہ گیا۔ میں نے بھی اس روڈ کو سر کرکے چھوڑا یہاں تک کہ بالکل تھک گیا۔ اور ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا۔ سڑک کے دونوں جانب خوبصورت درخت قطاروں میں ہاتھ جوڑے کھڑے عجیب دلکش منظر پیش کررہے تھے۔ اور جب تیز ہوا کے جھونکے چلتے تو اسکی سرسراہٹ سیاحوں کو ہزار داستانیں سناتیں۔ ساتھ ہی سڑک پر برق رفتار گاڑیوں کا سیل رواں مرواں دواں تھا۔ کبھی اسی سڑک پر شاہی خاندان اور امراء شہر زرق برق و مرصع باوقار و رعب ودبدبے والی شاہی بگھیوں میں بیٹھ کر محو خرام پھرتے تھے۔ اور انکی ہیبت ناک گاڑیوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے یہ سڑک لرزتی اور گونجتی تھی۔ اور "ہٹو بچو" کے نعرے بلند ہوتے۔ آج ان شاہوں کے مسکن پیرس میں انقلاب فرانس کی وجہ سے ہر کوئی شاہ وقت کے برابر ہے ......

یہاں پر میں کافی دیر کھڑا رہا ، اس کے بعد اب میں شانزلیزا کے پڑوسی ایفل ٹاور کو اندھیرے میں دیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ سنا تھا کہ اس کا اصل نظارہ رات کے وقت ہوتا ہے۔ میں یہاں سے ایفل ٹاور تک پیدل ہی گیا۔ کیونکہ زبان کے مسئلہ کی وجہ سے ٹیکسی والے سے کون " مغز پاشی" کرتا۔ اور ایفل ٹاور کے سامنے بنی ہوئی خوبصورت سیڑھیوں پہ بیٹھ گیا۔ میرے دیکھا دیکھی " فلک پیر" کا " دست طلب" " جنبش" کرتا ہوا آگے بڑھا اور ڈھلتے ہوئے " آفتاب کی صراحی" سے " جام حمرت" بھرکر "نوش جاں" کیا۔ اور چند ساعتوں کے توقف کے بعد افق کے کونوں پر سرخی پھوٹنے لگی۔ اور "روئے شام" پر شفق کی سرخی مزید تیز تر ہوتی گئی۔ شہر پیرس نے " انگڑائی" لی اور " لباس شب" زیب تن کیا۔ جگمگاتی تملماتی روشنیوں نے "غازے" کا کام کیا۔ ایفل ٹاور پیرس کے ماتھے پہ " جھومر" کی طرح سج رہا تھا۔ دریائے سین بھی " مست والست" ہوکر شہر کے بیچوں بیچ "رقص" کرتا ہوا بہہ رہا تھا۔ دریا کے کنارے روشنی کے کھمبے نصب تھے۔ عجب رنگ ونور کا منظر تھا۔ دریا کی

لہریں بھی اچھل اچھل کر پیرس کا نظارہ کر رہی تھیں۔

ع پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

فضاء میں سبزہ اور پھولوں کی مہک نے عجیب طلسماتی فضا بنائی تھی۔ اور یوں لگ رہا تھا جیسے شہر پیرس نے اپنی بند "حنائی ہتھیلیوں" کو کھول دیا ہو۔ کھیاریوں میں لگے "گھائے شگفتہ" کی "ادیائے کج کلاہی" و نازوادا نے نہایت متاثر کیا۔ اپنا "دریائے دل" بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حسین شام کی کشش کو دیکھ کر موجزن ہو ہی گیا۔ ع نظارے کو یہ جنبش سڑگاں بھی بار ہے

اور بے اختیار "محبوب حقیقی" کی جلوہ طرازیوں اور اداؤں کو دیکھ کر یہ شعر زبان پر آگیا۔

تیرے جلوے اب مجھے ہر سو نظر آنے لگے
کاش یہ بھی ہو۔ کہ مجھ میں تو نظر آنے لگے

"مصّوراول" کے خامۂ معجز رقم نے کیا کیا اور کیسی کیسی گل کاریاں کی ہیں۔ اور "جلوہ گاہ رنگ وبو" کو کس انوکھے انداز سے بنایا ہے۔رب کائنات ہر لمحہ ہر لحظہ اپنی بے پایاں قدرت کے مظاہرے فرماتے رہتے ہیں۔

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ادھر دیکھئے غروب آفتاب ہوا ادھر "پردہ آسماں" پر دوسرا "سین" شروع ہوا۔ شام کی "حمرت" کے بعد بیاض کا تڑکا پھر دھیرے دھیرے چاند نے "گھونگھٹ" اتار کر بزم کائنات کو فروزاں کرنے کیلئے انگڑائی لی چاند کے دیکھا دیکھی ستاروں اور کواکب نے بھی اپنی اپنی قندیلیں روشن کردیں۔ ان میں سے بعض ستارے ہم جیسے "گم کردہ راہ" مسافروں کے لئے سمت کا تعین کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد رب کائنات نے "سیاہ شب" کی مانگ کروڑوں اور اربوں ستاروں اور چاندنی سے بھردی۔ کہ نہ تو شب کو گلہ ہو اور نہ ہی زمین پر بسنے والوں کو اندھیرے اور "ظلمت شب" کی شکایت رہے دیکھئے اگر یہ رات کی سیاہی اور خاموشی واندھیرا نہ ہوتا تو غروب آفتاب وطلوع آفتاب کے "ہنگامے" کیونکر اور کہاں ہوتے؟۔ اور کیونکر اس کائنات کے "آئینۂ جمال" میں رنگوں کا انعکاس ہوتا۔ اور کیونکر قدرت کا کامل نظام ہستی ہماری ناقص سمجھ میں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پوری دنیا میں میرے خالق نے کسی بھی شئ اور ذرے کو بے مایہ وناکارہ نہیں بنایا۔(ماخلق اللہ ذالک

الاباالحق) اور اگر غور کیا جائے تو ہر چیز، ہر ذرہ میں ہفت اقلیم ، اور کائنات کے اسرار و رموز کے بے شمار دفتر بند ہیں ۔ اس لئے شاعر کہتا ہے :

ع ذرہ سے کائنات کی تفسیر پوچھ لے
قطرے کی وسعتوں میں سمندر تلاش کر

اور ہر چیز سے صدائے فافہم فافہم اور فتبارک اللہ احسن الخالقین کی صدائیں بلند ہوتی ہیں ۔

ففی کل شئی لہ آیتہ تدل علیٰ انہ واحد

فرق اتنا ہے کہ کوئی دیکھنے والی آنکھیں ، سننے والے کان ، عقل سلیم، محسوس کرنے والا دل اور روشن دماغ رکھتا ہو ۔ ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القیٰ السمع وھوشھید ۔

یورپ کے تمام بڑے شہروں میں سیاحوں کے لئے ایک خاص قسم کی دومنزلہ بسیں ہوتی ہیں ۔ جس کی چھت پر انتہائی خوبصورت انداز میں کرسیاں نصب ہوتی ہے ۔ اور ساتھ میں گائیڈلاوڈسپیکر کے ذریعے شہر کے اہم اور تاریخی مقامات کے بارے میں سیاحوں کو بریف کرتے ہیں ۔ یہ بسیں شہر کے مرکزی حصہ سے روانہ ہوتی ہیں اور ایک دو گھنٹوں میں تمام شہر کا چکر لگاتی ہیں ۔ اس سے سیاحوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے ۔ کم وقت میں بہت کچھ دیکھ لیتے ہیں ۔ یہ بسیں درمیان میں نہیں رکتیں ۔ خصوصاً لنڈن کی بسیں بہت مشہور ہیں ۔ میں نے پیرس شہر کی سیر کے لئے اس کا انتخاب کیا ۔ اسے پیرس ویژن (Paris Vision) کہتے ہیں ۔ بس میں سوار ہو کر تمام شہر کا نظارہ ہم نے چلتے چلتے کیا ۔ بہت سے تاریخی مقامات ، گرجے ، چوراہے ، پارک ، شاپنگ پلازے اور دیگر اہم مقامات دیکھیں ۔ پیرس میں بھی فحاشی دیگر مغربی شہروں کی طرح عروج پر ہے ۔ اور اس کے لئے کئی علاقے مخصوص رہتے ہیں اور انہی گندگی کے ڈھیروں سے اللہ تعالیٰ نے یورپی اقوام پر طرح طرح کی بیماریاں بطور عذاب نازل کیں ۔ خصوصاً ایڈز(Hiv.) کی بیماری نے تو ان کی کمر توڑدی ہے ۔ یورپ اور امریکہ اربوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد بھی اس مرض کا صحیح علاج دریافت نہ کرسکے ۔ آج یورپ خود کو مہذب ترقی یافتہ ، تعلیم یافتہ اور اعلیٰ اخلاق وعادات اور اونچی سوسائٹی کا علمبردار سمجھتا ہے ۔ اور سارے عالم سے خود کو برتر سمجھنے والا اور شمس قمر وستاروں اور بحروبر کو مسخر کرنے والا اپنی جنسی خواہشات پر قابو نہ رکھ سکا اور اپنی خواہشات کے آگے اس کے ہاتھ

پاؤں بندھے ہوئے ہیں ۔ یہ جنسی خواہشات کے غلام ہیں ۔ عوام تو درکنار خواص کا اعلیٰ طبقہ بھی اس میں بری طرح ملوث ہے ۔ اور آج حقیقتاً یورپ میں فرائیڈ (Sigmund Freud) پیدائش ۱۸۵۶ء کے نظریہ "جنسیت" (Sex) کی حکمرانی ہے ۔ اور عیسائیت اور مذہب اس نظریہ کے سامنے نہ ٹھہر سکے ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عیسائیت میں فحاشی پر قابو نہ پایا جاسکا بلکہ کلیسا اور پادریوں کے ذریعے اس مکروہ کاروبار نے مزید برگ وبار پھیلایا ۔ عیسائیت میں شاہ قسطنطین نے روم پر قبضہ (۳۵۰) کرنے کے بعد اس نے بڑی ہوشیاری سے بت پرستی کا بیج لگایا ۔ اور اکثر بت عریاں بنائے گئے ۔ اور کلیساؤں میں سجائے جانے لگے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اسی طرح فحاشی پھیلانے میں پادریوں اور عورتوں کی تجرد والی زندگی کا بھی کافی عمل دخل ہے ۔ اسی تجرد اور خشکی نے یورپ کو ہلاکر رکھ دیا تھا ۔ ہر روز کلیسا کے زیر سایہ گناہ کی ترویج ہونے لگی اور حتی کہ درندہ صفت پادریوں نے عورتوں اور لڑکوں میں تفریق نہیں کی ۔ بس نفس کی آگ کو بجھاتے رہے ۔ پادریوں کے جرائم کی تعداد شمار میں نہیں آسکتی ۔ آج بھی یورپ کے اخبارات میں آپ کو پادریوں کے ان نازیباں حرکات کی خبریں دیکھنے کو ملتی ہیں ۔ مارٹن لوتھر جو کہ ایک جرمن پادری تھا ۔ پیدائش ۱۴۸۳ء وفات ۱۵۴۶ء میں ہوئی ۔ کی پروٹیسٹینٹ تحریک جو کیتھولیک فرقہ اور کلیسا کی اصلاح بلکہ اس سے بیزاری کی تحریک تھی ۔ مارٹن نے پادریوں کے تجرد والی زندگی، رہبانیت اور عورتوں کی رہبانیت و تجرد کے خلاف بڑا شور اٹھایا ۔ اور اس کا یہ نقطہ بڑا صحیح اور عقل کے نزدیک تھا کہ لازماً پادریوں کو شادی کرنی چاہئے ۔ کہ آخر یہ بھی انسانی خواہشات رکھتے ہیں ۔ اسلئے کہ پادریوں کی رہبانیت اور تجرد سے معاشرے میں بہت سی خرابیاں پھیلتی ہیں ۔ مارٹن نے خود بھی کھیتر نیافان بورا سے نکاح کیا جو ایک راہبہ تھی ، اور اس کے پیشواؤں نے شادیاں کیں ۔ شادی کے مسئلہ میں اسلام نے سارے مذاہب پر برتری حاصل کی ہے ۔ کیونکہ یہ دین فطرت ہے ۔ جو انسانی خواہشات کا احترام کرتا ہے اور اسی لئے ہی تعدد ازدواج کا فلسفہ ہماری سمجھ میں آتا ہے ۔ اسلام کے تعدد ازدواج پر چیں بہ جبیں یورپین مفکرین ، مستشرقین ، بے سروپہ اعتراضات کرتے وقت اپنی حالت کیوں بھول جاتے ہیں ۔

ہیسی (Hesse) کا شاہ لوگوں کو حکم دیتا تھا کہ شادی کے باجود کئی عورتوں سے تعلقات رکھو۔ اسی طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کے بعض انتہا پسند گروہ عورتوں سے بغیر نکاح کے تعلقات رکھتے تھے ۔ جیسے فرقہ موراویہ (MORAUIANS) وغیرہ ۔ فرانس کے سب سے بڑے مفکر والیٹر نے اسلام کے

۱۶۹۴ء

تعدد ازدواج کے موقف کی "فلاسفیکل ڈکشنری" میں کیا زبردست وکالت کی ہے۔ جو ان یورپیر مفکرین کے لئے باعث غور و فکر ہے؟۔

یورپ میں فحاشی کی ابتداء و آغاز کا مختصر تاریخی جائزہ :۔

یورپ میں فحاشی کی ابتداء و آغاز قدیم روم اور قدیم یونان سے ہوتا ہے۔ اور محققین یونان کے مشہور مقنن حکیم سولن (SOLON) کے عہد کو فحاشی کی شروعات میں شمار کرتے ہیں۔ اوا اس نے کئی بیہودہ قوانین فحاشی کے لئے بنائے تھے۔ اگر چہ بعد میں یورپ میں فحاشی کی روک تھام کے لئے کافی کوششیں بھی ہوئیں میں انسداد فحاشی کی کوششیں اور پھر خصوصاً فرانس کا قحبگی کے خلاف اپنے وقت میں کوششیں قابل ذکر ہیں۔

یورپ میں اکثر فرمانرواؤں نے فحاشی کے خلاف وقفہ وقفہ سے سخت ترین سزائیں اور قوانین بنائے۔ اور بہت مخلصانہ کوششیں کیں، لیکن اکثر ان میں ناکام ہوئے۔ مثلاً قدیم روم کے شہنشاہ تھیوڈوسیس اور ویلنٹی نین نے روم میں تمام قحبہ خانے بند کردیئے تھے۔ اسی طرح قوم وزگوت (VISIGOEHES) کے شاہ تھیوڈورک(THEODORIC)نے فحاشی کے خلاف سزائے موت کا سخت ترین فرمان جاری کیا۔ اس کے علاوہ شاہ (RECAKD) نے عورتوں کے خلاف کوڑوں اور شہربدر کرنے کی سزا مقرر کی۔ اس کے علاوہ اور کئی حکمرانوں نے اس کے خلاف اقدامات کئے۔ مثلاً شہنشاہ شارلین، شاہ قرطاجنہ حسیریخ، جرمنی کے فریڈک بارک نے بھی فحاشی پھیلانے والوں کی خلاف بہت کچھ کیا لیکن یہ سب کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ یورپ میں انسداد فحاشی کی سب سے آخری کوشش اٹھارویں صدی میں واستا کی ملکہ "ماریا تھریسا" (MARIA THERESA) نے کی۔ اس نے لوگوں کو قید کیا اور سزائیں دیں، طرح طرح کے جرمانے وصول کئے میخانوں، ہوٹلوں کا معائنہ ہونے لگا۔ بلکہ خادماؤں کو رکھنا ممنوع ہوگیا۔

۱۷۵۱ء میں اسی کے خلاف ایک کمیشن جس کا نام (CHASTISTY COMMISION) تھا قائم کیا گیا ان تمام کوششوں کے باوجود یورپ میں فحاشی اور عریانیت کا "شجر خبیثہ" برگ و بار پھیلاتا رہا۔ بلکہ لوگوں کی طبعیت اور فطرت میں سرایت کرگیا۔ اور آج یورپ میں فرائیڈ کا نظریۂ سیکس عروج پر ہے۔ یورپ میں فحاشی کے خلاف کئی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ڈبلیوایکٹین (ACTON) کی کتاب "قحبگی" Prostitution اور آرتھر شیرویل کی کتاب (LIFE IN LONDON) اور ڈسپرے Dis peres کی کتاب پیرس کی فحاشی la pr ootitatinaparis

وغیرہ اہم ہیں۔ اس موضوع پر دیگر لکھنے والوں میں گلبرگ (GULLBERG ، پوٹن، سلوجیٹ (SLOGET) فرانس کے محقق پرنٹ دوشاتلے، آرتھر شیرویل وغیرہ قابل ذکر ہیں (۱) فرانس کا قحبگی کے خلاف جدوجہد اور انسداد فحاشی کی کوششیں:۔

فرانس کا قحبگی کے خلاف جدوجہد اور انسداد کی کوششیں بھی اس وقت کافی سخت تھیں، مثلاً لوئی نہم نے ۱۲۵۴ء میں فرمان جاری کیا کہ ملک کی تمام کسبیوں کا مال ومتاع چھین کر ملک بدر کیا جائے۔ اور پھر اس کے بعد ۱۲۵۶ء میں اسی فرمان کا اعادہ کیا۔ اسی طرح ۱۵۶۰ء میں چارلیس نہم نے پیرس میں تمام قحبہ خانے توڑ ڈالے ۱۵۶۰ء میں چارلس نہم نے انسداد فحاشی کیلئے نیا قانون بنایا اور ہر قسم کے قحبہ خانوں کو توڑ ڈالا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ زہر تمام پیرس شہر میں پھیل گیا

نہ شوخی چل سکی باد صبا کی بگڑنے میں بھی زلف اس کے بناء کی

اسی طرح لوئی چار دہم کے زمانے میں پیرس بیس سال تک قحبہ خانوں سے محفوظ رہا اور تھیٹر ڈرامے اور دیگر خرافات بھی ناپید ہوگئے لیکن لوئی پانزدہم نے فحاشی کو دوبارہ فروغ دیا اور اپنے بڑوں کی مدتوں کی محنت داد و عیش کی نذر کردی۔ اسی طرح کیتھرائن ڈی میڈیسائی CATERINEDE MEDI/ نے اٹلی سے سینکڑوں کسبیاں فرانس میں اپنے ساتھ لائیں تاکی اس کے ذریعہ سیاسی مقاصد حاصل کیئے جاسکیں۔

انقلاب فرانس کے مدح خواہوں کو اس کے تباہ کن پہلو نظر نہیں آتے حالانکہ آج دنیا میں جس قدر فحاشی اور اخلاق باختگی ہے اسی انقلاب کی " برکات" ہیں اور کسی نے صحیح کہا ہے کی انقلاب فرانس نے قحبگی کے ایک نئے دور کو جنم دیا اور پھر فرانسیسی رہنماؤں کا جنگ کے بعد قوم سے یہ اعلان کہ بچے جنو اور جناؤ مناکحت کی ضرورت نہیں، سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فرانس دیگر یورپی ممالک سے اس باب میں کتنا آگے چلا گیا......۔

یہ پیرس میں میری آخری رات تھی میں یہاں تین دنوں میں کافی اکتا گیا تھا میں نے باقی فرانس وپیرس کے دیکھنے کا ارادہ کینسل کردیا اور دل میں پکا قصد کیا کہ صبح سویرے عروس البلاد پیرس سے چھٹکارا حاصل کروں۔ کیونکہ اس " دشت امکاں" میں گھبرا گیا تھا۔ صبح ہوئی تو میں نے انگلستان (لنڈن) جانے کے لئے " پر" تولنا شروع کئے۔ اور ٹکٹ کے بکنگ کیلئے ہوٹل سے چل نکلا

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب
ہم نے اس دشت امکاں کو بھی ایک نقش پا پایا

(جاری ہے)

نوٹ:۔ ذوق پرواز کے تمام ماخذ و مصادر آخری قسط میں دیئے جائیں گے

شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

تعزیتی اجلاس

پچھلے دنوں عالم اسلام کی دو عظیم شخصیات دنیا سے رخصت ہوگئیں ۔ دارالعلوم میں ان کے لئے خصوصی دعا اور ختم قرآن شریف کا اہتمام ہوا ۔ ایوان شریعت ہال میں ایک تعزیتی اجلاس بھی منعقد ہوا ۔ اجلاس سے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے تفصیلی خطاب فرمایا ۔ آخر میں شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ دامت برکاتہم نے دعا فرمائی ۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے خطاب اور تعزیتی جلسہ کی کاروائی نذر قارئین ہے ۔

عالم اسلام کی کئی عظیم ترین ہستیاں دنیا سے رخصت ہوگئیں ۔ ایک شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ جن کی شخصیت علمی حلقوں کے لئے محتاج تعارف نہیں ۔ آپ عالم اسلام اور خصوصاً حنفیت کے بہت بڑے عالم تھے ۔ لیکن آپ کی موت پر اسلامی میڈیا اور اخبارات نے جس بے حسی کا مظاہرہ کیا اس پر ازحد افسوس ہوتا ہے ۔ مولانا نورعالم خلیل امینی جو دارالعلوم دیوبند کے عربی جریدہ " الداعی " کے مدیر ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ شیخ کے متعلق عربی اخبارات بڑی بڑی سرخیاں لگائیں گے لیکن انتہائی افسوس ہوا کہ ان اخبارات میں شیخ سے متعلق کوئی خبر موجود نہ تھی ۔ اور تو اور سعودی اخبارات بھی خاموش رہے ۔ حالانکہ آپ سعودی عرب کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے ۔ اور بڑی بڑی جامعات میں احادیث نبویہ کے استاذ رہ چکے تھے ۔ آپ کی شہرت صرف عالم عرب تک محدود نہ تھی ۔ بلکہ تمام دنیا میں آپ کی تصانیف کا چرچا ہے ۔

ابھی یہ صدمہ سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ عالم اسلام کی دو اور مایہ ناز شخصیتیں دنیا سے رخصت ہوگئیں ۔ ایک حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تھے اور دوسرے مولانا قاضی محمد اہدالحسینی رحمۃ اللہ ۔ مولانا منظور احمد نعمانیؒ بہت بڑے مجاہد عالم تھے ۔ آپ جب دارالعلوم دیوبند

سے فارغ ہوئے تو اس وقت ہندوستان رسوم وبدعات کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے ان بدعات کے خلاف جہاد کیا۔ بڑے بڑے مناظرے کئے اور مسلسل مقابلہ کیا۔ دلائل سے، تقریر سے، تحریر سے آپ نے احادیث کی بہت خدمت کی۔ اور معارف الحدیث کے نام سے اردوزبان میں جدید انداز میں احادیث کو آٹھ جلدوں میں مرتب کیا۔ آپ نے ماہنامہ "الفرقان" جاری کیا۔ جو ۶۵ سال سے مسلسل خدمت دین میں مصروف ہے۔ اور ایک شمع ہے جو جل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں بڑی برکت دی۔ دیوبند کے قدیم ترین فضلاء میں سے تھے۔ آپ نے وقت کی خوب قدر کی۔ کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ آخری عمر تک تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری عمر میں "انقلاب ایران کی حقیقت" نامی کتاب تصنیف کرکے ایک ذلزلہ برپا کردیا۔ آپ کی وفات عالم اسلام کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے۔ دارالعلوم حقانیہ آپ کے لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

دوسرا حادثہ علامہ قاضی محمد زاہدالحسینی کی وفات کا ہے۔ آپ بہت بڑے عالم اور شیخ طریقت تھے۔ ہمارے اکابرین ایک ایک کرکے رخصت ہورہے ہیں۔ آپ گلستان مدنی کے آخری خوشہ چینوں میں سے تھے۔ اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے نسبت کی وجہ سے الحسینی لکھا کرتے۔ حضرت مدنی کے بڑے عاشق تھے۔ آپ کو ترجمہ قرآن سے بے انتہا عشق تھا۔ قریہ قریہ، شہر شہر قرآن کی تفسیر کرتے۔ ایک عالم نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آخری عمر میں ایبٹ آباد میں درس قرآن کا بہت بڑا درس ہوتا۔

آپ نے "چراغ محمد" کے نام سے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمدمدنی رحمہ اللہ کی مبارک سوانح لکھی۔ "چراغ محمد" حضرت شیخ الاسلام کا تاریخی نام بھی ہے۔ مولانا زاہدالحسینیؒ فیض وبرکت کا عظیم سرچشمہ تھے۔ آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ سے بہت محبت تھی۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث کا ذکر ہوتا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو نہ نکلے ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں مقام عالی سے سرفراز فرماویں۔

۲۳ جون کو جناب بریگیڈیر، کرنل فیوض الرحمن صاحب دارالعلوم تشریف لائے، اور جمعہ کا خطبہ دیا۔ آپ پاک فوج میں بریگیڈیر ہیں اور جی ایچ کیو میں مذہبی امور کے انچارج بھی ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے ان کی بڑی عقیدت ہے۔ اور مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ ان کا بہت ہی اچھا انس وتعلق قائم ہے۔ جناب بریگیڈیر صاحب تقریباً ۱۱۵ کتابوں اور رسالوں کے ادیب بھی ہیں۔ اور جامعہ اشرفیہ سے فراغ ہیں، اچھے قاری بھی ہیں۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر بھی ہیں۔ آپ نے نماز جمعہ میں قرآن وحدیث اور اسلام اورجہاد کے موضوع پر طلباء کو ایک علمی اور پر مغز خطبہ دیا۔ جناب بریگیڈیر صاحب

۳۱ پر

" الحق " کے بہت ہی پرانے قاری اور کرم فرما ہیں ۔ اور کافی عرصہ " الحق " میں مختلف مضامین لکھتے رہے ہیں ۔ آپ نے نماز جمعہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب کے گھر اساتذہ کے ساتھ ظہرانہ میں شرکت کی ۔ اور آخر میں دارالعلوم کے دارالحدیث (ایوان شریعت) میں گئے ۔ اور وہیں سے پھر رخصت ہوئے ۔

دارالعلوم نے الحمدللہ جہاد افغانستان میں ایک تاریخی کردار ادا کیا ہے ۔ وہ تاریخ کا ایسا درخشندہ باب بن گیا ہے جو رہتی دنیا تک قائم ودائم اور روشن رہی گا ۔ چاہیے اٹھارہ سالہ جہاد ہو یا پھر تحریک طالبان کا لشکر جرّار ہو ۔ ان تمام مجاہدین وغازین کا مرکز اور بنیادی اکائی الحمدللہ دارالعلوم اور اس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ ہی ہیں ۔ گذشتہ ماہ عبدالضحیٰ کی موقع پر دارالعلوم حقانیہ ایک ماہ کے لئے بند رہا ۔ اور طلباء جہاد کے لئے افغانستان تشریف لے گئے تھے ۔ پھر مزار شریف پر حملہ کے لئے ۲۰۰ طلباء کا لشکر مقدمۃ الجیش کے طور پر میدان کارزار میں دشمن کو شکست دینے کے لئے اپنے مورچوں پر گیا ۔ اطلاعات کے مطابق ان طلباء میں سے تقریباً ۸۰ طلباء گرفتار ہیں ۔ پھر مفتوحہ علاقوں کی نگہبانی اور دیگر عسکری وانتظامی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے دارالعلوم کو امیر المومنین کی خصوصی سفارش اور مطالبہ کی صورت میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے مدرسہ کے تمام اساتذہ کے مشورے سے اور حالات کے سنگین ہونے کی وجہ سے نا صرف دارالعلوم حقانیہ میں بیس روز کی چھٹی کی بلکہ صوبہ سرحد کے تمام مدارس کو بند کرنے کی سفارش کی ۔ الحمدللہ دارالعلوم سے تازہ کمک کے طور پر بارہ سو طلباء اساتذہ کرام کی نگرانی میں دشمن پر آخری ضرب لگانے کے لئے تشریف لے گئے ہیں ـــــ ۔

> شمالی علاقہ جات کے گورنر مولانا عبدالرازق حقانی (فاضل حقانیہ) جو کہ اس سے پہلے ہرات کے گورنر بھی رہ چکے ہیں ۔ انہوں نے مزار میں گرفتاری سے چند لمحے پہلے پاکستان کے اخبار نویس این این آئی کے نمائندہ جناب اسلم خان کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا دوسرا گھر پاکستان میں دارالعلوم حقانیہ ہے ۔ ہم نے وہیں سے تعلیم وتربیت حاصل کی ۔ اور آج انہیں اساتذہ کی دعاؤں اور دارالعلوم حقانیہ سے بلند کیئے گئے سفید پرچم آج افغانستان میں ہر طرف لہرا رہے ہیں ۔
>
> (۲ مئی قومی اخبارات جنگ ، نوائے وقت وغیرہ)

تبصرہ کتب

حافظ راشدالحق حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

نام کتاب : تحدیث نعمت (سوانح عمری)

مصنف : مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ۔

مرتب :- مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نعمانی

صفحات : 352

قیمت :- 75/= روپے۔

ناشر۔ الفرقان بک ڈپو ۳۱/ ۱۱۴ نظیر آباد لکھنو ۱۸

دارالعلوم حقانیہ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ قدس سرہ اور شیخ التفسیر مولانا قاضی محمد زاہدالحسینی صاحبؒ کے سانحہ ہائے ارتحال پر دارالعلوم کے پرشکوہ ایوان شریعت (دارالحدیث) میں ان کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا۔ جس میں حضرت والدصاحب مدظلہ نے ان بڑی دو عبقری مرحومین کی شخصیات اور مقام ومرتبہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ جب جلسہ ختم ہوا تو راقم دفتر اہتمام آیا۔ اتنے میں ڈاکیہ نے ایک رجسٹری پر دستخط کیلئے کہا۔ بندہ نے پارسل کی وصولی کی رسید پر دستخط کئے اور پارسل کھولا۔ تو "تحدیث نعمت" گو "نعمت غیر مترقبہ" ہاتھ آئی۔ یہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کی کتاب زندگی کے چند اوراق پر مشتمل سوانح ہے۔ یہ کتاب ہمیں اس وقت ملی جب حضرت کی کتاب زندگی کے اوراق ختم ہوگئے تھے اور اسکے ساتھ ان کی تصنیفات وتالیفات کی کتاب کا باب بھی بند ہوچکا تھا۔ میں نے فرط شوق سے کتاب کھولی اور بیٹھے بیٹھے کئی صفحات پڑھ لیے۔ جذبات اور کیفیات کا عجیب عالم تھا۔ کہ ادھر صاحب سوانح کی "تحدیث نعمت" اور ادھر آپ کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی جلسہ۔ بقول جگر مرادآبادیؒ: عجب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ ادھر بلبل کا دم ٹوٹا ادھر فصل بہار آئی مولانا کی عظیم عبقری شخصیت اور آپکی خود نوشت پر ایک طالبعلم کیونکر تبصرہ کیلئے قلم اٹھا سکتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ع اہل صحرا لکھ رہے ہیں خوشبوؤں پر تبصرہ۔

راقم کیلئے تو یہ ازحد خوشی وافتخار اور انبساط کی بات ہوتی کہ حضرت کی زندگی میں ہی اس پر تبصرہ لکھنے کی سعادت حاصل کرتا لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت کی ہر کتاب ہر علمی کوشش اور ہر قلمی کاوش علمی دنیا کے لئے ایک سند اور ایک اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب دراصل مولانا مرحوم اپنے ماہنامہ " الفرقان" کے مختلف پرچوں میں "تحدیث نعمت" کے عنوان سے مضامین تحریر فرماتے رہے۔ یہ انہی مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو آپ کے فرزند جناب مولانا عتیق الرحمن صاحب سنبھلی مدظلہ نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے ترتیب دیا ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ میں آپ کی ابتدائی زندگی، تعلیم و تربیت، تحصیل علوم، تدریس و تصنیف کے جو مراحل آپ نے طے فرمائے ہیں۔ اس میں ان کا ذکر ہے اور دوسرے حصے میں اپنے اکابر اور معاصرین سے ملاقاتیں اور ان کے ساتھ تعلق و ربط اور ان کی شخصیات کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ ملاقاتوں کا رنگ عجیب دلکش انداز سے پیش کیا ہے۔ خود نوشت، سرگزشتیں اور سوانح عام طور پر انتہائی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن حضرت کی یہ سوانح جو کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ حرز جان بنانے کے قابل ہے۔

کتاب معنوی دلکشی کے ساتھ ساتھ صوری لحاظ سے بھی انتہائی دیدہ زیب ہے۔ اور مرتب کتاب کے ذوق نفیس اور حسن ترتیب کا بہترین شہکار ہے یہ ایک کتاب گویا ایک مستقل تاریخ ہے جو کہ آئندہ نسلوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ اور اس کا ایک ایک ورق چشمک زن آفتاب ہے۔ کتاب کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا حضرتؒ ہماری آنکھوں کے سامنے اپنی سرگزشت بیان فرما رہے رہیں۔ اور قاری ماضی کے اس بابرکت دور میں چلا جاتا ہے۔ جب مشاہیر امت علم و فضل کے آسمان پر کہکشاں کی مانند چمک رہے تھے۔ آپ نے ان قدسی صفات ہستیوں کا خاکہ اپنے خامہ معجز رقم سے ایک اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ حضرت مرحوم خود بھی اسی قافلہ عشاق کے آخری سپہ سالاروں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے سفر زندگی کے حالات اور "کاروان آخرت" کے شرکاء کے چشم دید واقعات بھرپور اور والہانہ انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ ہم تمام علماء و فضلاء، مدرسین ارباب سلوک اور دیگر اردو دان طبقہ سے یہ پرزور سفارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کو ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اور اپنی شخصیت کی تعمیر میں اس سے کماحقہ استفادہ حاصل کریں۔ مولانا مرحوم کی اکثر کتابوں کا انگریزی، فرانسیسی اور دیگر عالمی زبانوں میں ترجمے ہوچکے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کے بھی مختلف زبانوں میں ترجمے ہونگیں۔ اور حسب روایت یہ کتاب بھی آپ کی دیگر تصنیفات و تالیفات کی طرح علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل کریگی ....

عوام پسند
رُوح افزا
معیار ہر قیمت پر
کاربن سے مُبرّا
کیفین سے مُبرّا
فناسٹین سے مُبرّا
بلبلوں سے مُبرّا
گلے کی خراش سے مُبرّا
رُوح افزا کا ایک گلاس
موسم کی حِدّت اور پیاس کی شدّت
سے نجات دلاتا ہے ۔
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
ہمدرد
مَدینۃُ الحِکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ ۔

REGD NO:P 90.MONTHLY.AL HAQ AKORA KHATTAK

فتح کامل افغانستان

نتیجہ فکر ! حافظ محمد ابراہیم فانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دشمنان دین وامت شکر ہے رسوا ہوئے
روسیاہ وہ خائنان ملت بیضا ہوئے

حمد رب ہے بےعدد اعدائے اسلام وقرآن
سارے عالم میں وہیں مصروف واویلا ہوئے

طالبان دین قیم کی یہ حرکت مرحبا
دبدبے سے جن کے ایسے سورما پسپا ہوئے

بہرنصرت واسطے ان کے ملائک آگئے
ہرقدم ان کے لئے ابواب عزت واہوئے

لشکر دین محمدؐ کے مقابل حسرتا
دوستم ربانی ومسعود صف آرا ہوئے

اک صف ماتم بچھی ہے سرزمین کفر میں
سارے منصوبے جو تھے ان کے تہہ وبالا ہوئے

جو لیٹرے تھے مسلط مصلحوں کی روپ میں
روس کے قدموں میں پھر وہ ناصیہ فرسا ہوئے

تنگ ہے اب ان لعینوں پر محیط ارض بھی
اب شمالی سمت سے بھاگے نہ جانے کیا ہوئے

دیکھ لے گی ساری دنیا اب شریعت کی بہار
سرنگوں بر فضل مولادین کے اعدا ہوئے

کیا ہوئیں سیاف وحکمتیار کی نیرنگیاں
دوستم کے ساتھ وہ بھی حق سے نابینا ہوئے

کیسے کیسے لوگ تھے اوج فلک سے گر گئے
غرق دریائے مزلت وہ زسرتا پا ہوئے

فتح کامل تھی تری قسمت امیرالمومنین
ورنہ کیا اس سرزمین پر معرکے برپا ہوئے

پیکر قہر وغضب ہر فاضل حقانیہ
بہرباطل واہ کیا شاہین صفت پیدا ہوئے

سطوت باطل کی فانی شان ورعنائی گئی
شوکت اسلام کی تاریخ دہرائی گئی

****